34

ہفت روزہ

لاہور

ندائے خلافت

www.tanzeem.org

تنظیم اسلامی کا ترجمان

مسلسل اشاعت کا 35واں سال

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

25 ربیع الاول تا 2 ربیع الثانی 1448ھ / 8 تا 14 ستمبر 2026ء

اس شمارے میں

دفاعِ پاکستان کی فکری بنیاد: نظریۂ پاکستان!

حُبِ رسول ﷺ کا سب سے بڑا تقاضا

دعا

اسلام بطور مذہب اور دین

ذرا اس کی دیر گیری سے......

حکمرانی، سادگی اور اسلامی ریاست کا مزاج

خطرناک طرزِ معاشرت: دو دھاری تلوار

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی رائے یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے انباروں سے زیادہ خطرناک وہ طرزِ معاشرت ہے جو امیر و غریب میں امتیاز قائم کر کے غریب کے دل میں سرمایہ داری کی ہوس اور شاہ پرستی کا شوق پیدا کرتی ہے۔ سونے چاندی کے برتن، زرق برق ریشمی لباس، فیشن اور تکلفات، دولت مندوں کے دماغوں میں کبر و غرور اور تصورِ برتری پیدا کرتے ہیں۔ اس سے ناداروں کے دلوں میں حرص و طمع کی وہ خواہش پیدا ہوتی ہے جو ان کو زیادہ رشوت ستانی، چوری، خیانت، استحصال بالجبر اور عصمت فروشی وغیرہ پر آمادہ کر دیتی ہے۔ غرض سماجی زندگی کے بیش قیمت تکلفات، سرمایہ داری اور شاہ پرستی کے وہ زہریلے جراثیم ہیں کہ جب تک نظام ان کی اجازت دیتا رہے گا، سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط ہوتی رہیں گی، دوسری طرف نادار اور حریص لوگوں میں جرائم کی عادت بڑھتی رہے گی۔ (گویا یہ ایک دو دھاری تلوار کا کام کرے گی) شاہ صاحبؒ ایک طبقے کی ایسی خوشحالی کو جو ان تکلفات سے مرصّع (مزیّن) ہو جس سے اقتصادی توازن بگڑے "رفاہیت بالغہ" سے تعبیر کرتے ہیں اور سوسائٹی کے لیے اس کو بدترین جرم اور اس کے خلاف جنگ کو مقدس جہاد قرار دیتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی تصانیف "رفاہیت بالغہ" کی مذمت سے بھری ہوئی ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ
شاہ ولی اللہؒ اور ان کا فلسفہ

مسجدِ اقصیٰ کی حرمت اور فلسطینی مسلمانوں کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں!

الھدیٰ
ڈاکٹر اسرار احمدؒ
1198

اللہ تعالیٰ کی وسیع و عریض کائنات اور جملہ مخلوقات کی نگرانی

سورۃ لقمٰن | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیت: 28

مَا خَلۡقُکُمۡ وَلَا بَعۡثُکُمۡ اِلَّا کَنَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۲۸﴾

آیت ۲۸: ﴿مَا خَلۡقُکُمۡ وَلَا بَعۡثُکُمۡ اِلَّا کَنَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ ؕ﴾ ’’تم سب کا پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا (اللہ کے لیے) ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کا (پیدا کر دینا اور دوبارہ زندہ کر دینا)۔‘‘

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی وسعت و عظمت کا تذکرہ تھا۔ اب اس وسیع و عریض کائنات کے انتظام و انصرام اور رنگا رنگ مخلوق کے معاملات کی نگرانی کا ذکر ہے کہ ان تمام امور کی نگہداشت اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ جیسے آیت الکرسی (سورۃ البقرۃ) میں ارشاد ہوا: ﴿وَلَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُہُمَا ۚ وَہُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿۲۵۵﴾﴾ ’’اور اُس پر گراں نہیں گزرتی ان دونوں (زمین و آسمان) کی حفاظت‘ اور وہ بلند و بالا ہے‘ بڑی عظمت والا۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۲۸﴾﴾ ’’یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا‘ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔‘‘

درس حدیث

خداترس غریب (مسلمان) جنتی ہیں

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ. اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ)) (صحیح مسلم)

حضرت حارثہ بن وہب خزاعی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا میں تمہیں اہل جنت کی خبر نہ دوں؟ ہر کمزور (مسلمان) جسے کمزور اور لاچار سمجھا جاتا ہے، (لیکن ایسا کہ) اگر اللہ پر (اعتماد کرتے ہوئے) قسم کھالے تو وہ اسے پوری کر دے۔ کیا میں تمہیں اہل جہنم کے بارے میں خبر نہ دوں؟ ہر مال اکٹھا کرنے والا اور اسے خرچ نہ کرنے والا، بد اصل، متکبر۔‘‘

تشریح: یہ دنیا امتحان گاہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو امتحان اور آزمائش سے دوچار کیا ہے۔ کسی مسلمان شخص کے خوشحال اور طاقتور ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ اس سے راضی ہے اور وہ جنت میں جائے گا۔ کسی مسلمان شخص کے مفلس اور کمزور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے اور وہ دوزخ میں جائے گا۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
25 ربیع الاول تا 2 ربیع الثانی 1448ھ — جلد 35
8 تا 14 ستمبر 2026ء — شمارہ 34
مدیر مسئول: شجاع الدین شیخ
مدیر اعزازی: حافظ عاکف سعید
مدیر: رضاء الحق
مجلس ادارت: ✽ فرید اللہ مروت ✽ محمد رفیق چودھری ✽ وسیم احمد باجوہ ✽ خالد نجیب خان
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: سیکرٹری دین حق ٹرسٹ لاہور
مطبع: آر آر پرنٹرز، سگیاں روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
"دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: (042) 35473375-78
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
فون 35869501-03 فیکس: 35834000
nk@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 30 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک ...... 1,200 روپے
بیرون پاکستان
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (32,000 روپے)
انڈیا، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (24,000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org
"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
رضاء الحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفاعِ پاکستان کی فکری بنیاد: نظریۂ پاکستان!

ایسا منفرد ملک ہے جہاں کے رہنے والوں کی زبانیں، رنگ اور رہن سہن سب مختلف ہونے کے باوجود تحریک پاکستان کے دوران کلمہ کی بنیاد پر ہم سب ایک ہو گئے۔ مسلمانانِ ہند کی زبان پر کلمہ چلا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں الگ خطۂ زمین سے نواز دیا۔ تقریباً دو سال تک حکومت گومگو کی صورت میں رہی، اسلام کی طرف بڑھنے کے اعلانات کرتی رہی، لیڈر بیان دیتے رہے لیکن کوئی عملی قدم نہ اٹھایا جا سکا۔ البتہ یہاں یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح ؒ نو مسلم علامہ محمد اسدؒ کی سربراہی میں Department of Islamic Reconstruction کے نام سے ایک شعبہ قائم کر چکے تھے حالانکہ پاکستان بننے کے ایک سال بعد قائداعظم نے بیماری کی حالت میں وقت گزرا اور یہ واحد شعبہ تھا جو قائداعظم نے اپنی زندگی میں قائم کیا تھا۔ اس سے پاکستان کے مستقبل کے حوالے سے قائداعظم کے ارادے بالکل عیاں ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور تنبیہ کی کہ اگر وہ اسلامی نظام کے نفاذ کے حوالے سے آگے نہ بڑھی تو وہ عوام میں جائیں گے اور لوگوں کو بتائیں گے کہ مسلم لیگ ایک دھوکہ باز جماعت ہے اور قیامِ پاکستان کے حوالے سے اس نے زبردست دھوکہ کیا ہے۔ آخر کار اسمبلی نے قراردادِ مقاصد منظور کر لی لیکن بدقسمتی سے اس قرارداد پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ پھر 1951ء میں تمام مسالک و مکاتبِ فکر کے 31 جید علماء کرام نے متفقہ طور پر 22 نکات بھی پیش کر دیے کہ ان کے مطابق حکومت پاکستان میں نفاذِ شریعت کر دے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں! لیکن مزید دو سال تذبذب میں گزر گئے۔

16 اکتوبر 1951ء کو وزیراعظم لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا، شنید ہے کہ انہوں نے نہ صرف قراردادِ مقاصد کو عملی شکل دینے کا عہد کر لیا تھا بلکہ اس حوالے سے وہ کچھ اقدام کرنا چاہ رہے تھے لہٰذا اُن کا "کانٹا ہی نکال دیا گیا"۔ پھر بار بار مارشل لاء لگے اور ہر آنے والے کا استقبال ہوا۔ مارشل لاء لگنے کے ساتھ ہی ملک کا پہیہ الٹا چل پڑا۔ ملک کو ایک اسلامی نظامِ حکومت کی بجائے سیکولر نظامِ حکومت کے تحت چلایا جانے لگا، جو بدقسمتی سے آج تک قائم ہے۔ (ہائبرڈ سسٹم بھی کچھ مختلف نہیں!)

اسی طرح بدترین معاشی استحصال کا معاملہ آج تک قائم ہے، جس نے غریب ہی نہیں متوسط طبقہ کو بھی زندہ درگور کر دیا اور اُنہیں ضیق کی زندگی گزارنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ (طٰہٰ:124) سود کے خلاف فیصلوں پر فیصلے آتے گئے لیکن تمام حکومتیں، بینک دولت پاکستان اور مقتدر حلقے ان پر حقیقی عمل درآمد کے لیے کوئی روڈ میپ بنانے کو تیار نہیں کہ کس طرح ملک کو سود کی لعنت سے پاک کیا جائے اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جاری جنگ کا خاتمہ کیا جا سکے۔ (البقرۃ:279) البتہ کشکول اُٹھائے دنیا بھر میں پھرتے رہے اور آئی ایم ایف سے مزید سودی قرضے لیتے رہے تاکہ اشرافیہ کی عیاشیوں پر خرچ ہوتے رہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان ایک جسد ہے جس کی روح اسلام ہے اور اسلام کے بغیر پاکستان ایک بے روح لاشہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو دشمن کے مقابلے میں اپنی تیاری مکمل رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ [(اور تیار رکھو ان کے (مقابلے کے) لیے اپنی استطاعت کی حد تک طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے (تاکہ) تم اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو اور کچھ دوسروں کو (بھی) جو ان کے علاوہ ہیں)] (الانفال:60)، لیکن حقیقی ایمان بھی تو دلوں اور اعمال کو مزین کر رہا ہو! جن اٹل حدود کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے طے کر دیا ہے، اُن کے مطابق ملک کا نظم و نسق چلایا جائے۔ عدل کا بول بالا ہو، عوامی رائے کا احترام ہو، آئین اور قانون میں موجود اسلام سے متصادم تمام شقوں کا خاتمہ کیا جائے، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ملک کے معاشی نظام کو ازسرِنو ترتیب دیا جائے، جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ

(اشرافیہ کے) نظام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا جائے، معاشرتی اور سماجی سطحوں پر اسلامی تعلیمات سے متصادم ٹرانس جینڈر قانون کو کالعدم قرار دیا جائے، ہر قسم کے میڈیا پر فحاشی و عریانی کی بیخ کنی کی جائے، نظامِ تعلیم و تربیت میں قرآن و سنت کو مرکزی حیثیت حاصل ہو، خارجہ پالیسی طے کرتے ہوئے بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فیصلے کیے جائیں، الغرض انفرادی اور اجتماعی سطح پر ہر ہر گوشے کو مکمل طور پر اسلامائز کیا جائے اور پاکستان کو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی فلاحی ریاست بنایا جائے۔ پھر اللہ کی نصرت بھی آئے گی اور دشمن کے مقابلہ میں غلبہ بھی ملے گا۔ ان شاء اللہ! اور [(اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو جما دے گا۔ (سورۃ محمد: 7)]۔

نبی اکرم ﷺ نے عدل کی صرف دعوت ہی نہیں دی بلکہ اسلام کے اس عادلانہ نظام کو بالفعل قائم کرکے دکھایا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں موجود ظلم و زیادتی کی فضا، اور سیاسی و طبقاتی کشمکش کو ختم کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی قومیں اس لیے برباد ہوئیں کہ جب اُن کا کوئی بڑا جرم کرتا تو اُسے چھوڑ دیا جاتا اور جب کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تو اُسے سزا دی جاتی۔ (صحیح بخاری) ہمیں ہر صورت میں عدل کی گواہی دینی ہے، چاہے وہ گواہی ہمارے خلاف ہی کیوں نہ جاتی ہو۔ روزِ محشر کی پکڑ کا اگر ہمیں پختہ یقین ہوگا تو ہم ہر سطح پر عدل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے اہل ایمان کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر خواہ یہ (انصاف کی بات اور شہادت) تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے یا تمہارے قرابت داروں کے چاہے وہ شخص غنی ہے یا فقیر اللہ ہی دونوں کا پشت پناہ ہے تو تم خواہشات کی پیروی نہ کرو مبادا کہ تم عدل سے ہٹ جاؤ۔ اگر تم زبانوں کو مروڑو گے یا اعراض کرو گے تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔ (النساء:135)

کیا یہ کسی المیہ سے کم ہے کہ آج آپ ﷺ کے نام لیوا صرف زبان پر کلمہ ہونے سے اللہ کی نصرت کی امید رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم غالب تب ہی ہوں گے جب حقیقی و قلبی ایمان والے ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا: اور نہ کمزور پڑو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی سربلند رہو گے، اگر تم مؤمن ہوئے۔ (آل عمران: 135) آج پوری قوم (جس میں حکمران، عدلیہ، کاروباری طبقہ، سول و ملٹری بیوروکریسی سے لے کر ریڑھی بان، رکشہ ڈرائیور، مزدور، کاشت کار سب شامل ہیں) کو ایسے ایمانی جذبے کی ضرورت ہے جو خلافتِ راشدہ کے سنہری دور سے رہنمائی لیتے ہوئے، قرآن و سنت اور اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے، اُن زریں اسلامی اصولوں کے مطابق ملک میں نظامِ عدلِ اجتماعی کو قائم و نافذ کرنے کی جدوجہد کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ بہت سی قوموں کو اس قرآن کی برکت سے بلند کرے گا اور دوسروں کو زیر کرے گا۔'' (سنن دارمی) مصورِ پاکستان علامہ اقبال کے نزدیک بھی ہماری ذلت و رسوائی کی وجہ تارکِ قرآن ہونا تھا۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یہاں ہم یہ بھی تذکرہ کرتے چلیں کہ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے پاکستان میں نظام کی تبدیلی کے لیے انقلابِ نبوی ﷺ کی بڑی تفصیل سے وضاحت فرمائی ہے۔ اس حوالے سے اُن کے آڈیو/ ویڈیو لیکچرز بھی موجود ہیں اور اُن کی انتہائی اہم تصنیف ''منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ'' (جس کا خلاصہ اُن کے کتابچہ ''رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب'' کی صورت میں بھی موجود ہے) کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔ دوسری بات یہ کہ تنظیم اسلامی کے نزدیک ہمیں پُرامن، منظم اور غیر مسلح تحریک کے ذریعہ پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی جدوجہد کرنا ہوگی۔ یہ اس لیے کہ موجودہ استحصالی و باطل نظام سے ایک بڑی تعداد میں افراد و اداروں کے مفادات وابستہ ہیں، لہٰذا ریاست اس انقلابی تبدیلی کے لیے کی جانے والی جدوجہد کو کچلنے کے لیے لامحالہ اپنی پوری طاقت استعمال کرے گی، جس کا ایک عام جماعت مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر یہ کہ حکمران اور مقتدر حلقوں کے لوگ بھی مسلمان ہیں اور بہر حال خروج کرنے اور کسی مسلمان کی جان لینے کی فقہاء نے بڑی سخت شرائط بیان کی ہیں، جو ہمارا اس وقت کا موضوع نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انتخابی سیاست کے راستے نظام چل تو سکتا ہے لیکن بدل نہیں سکتا۔ ہم مختلف قسم کے نظام اور طرز ہائے حکومت اپنا کر 79 سال سے ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ پاکستان میں نفاذِ عدلِ اسلام ہمارے ایمان کا تقاضا ہے پھر یہ کہ موجودہ ملکی اور عالمی حالات کا منطقی اور عقلی تقاضا بھی اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اپنی اصل کی طرف لوٹیں۔ پاکستان کے دشمن ہماری نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کو کمزور کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ ایک طرف اسرائیل اور امریکہ کی نظرِ بد پاکستان کے ایٹمی اور میزائل پروگراموں پر گڑی ہوئی ہے کہ اسے کیسے نقصان پہنچایا جائے تاکہ یقین یا ہو کے تاریخی اور روحانی مشن یعنی گریٹر اسرائیل کے قیام کے شیطانی منصوبے کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ کو ہٹایا جا سکے۔ پھر یہ کہ لبنان اور ایران پر حملے اور مسجدِ اقصیٰ کی بار بار بے حرمتی کرنا، صہیونیوں کے اُس منصوبے کا ہی حصہ ہیں، جس کے تحت وہ مسجدِ اقصیٰ کو (معاذ اللہ) شہید کرکے تھرڈ ٹیمپل بنانا چاہتے ہیں جس میں اُن کے مسایاح (جو در حقیقت دجال ہوگا) کی تاج پوشی کی جائے گی۔ ہمارے نزدیک یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اسرائیل کا سب سے بڑا ہدف پاکستان کو کمزور کرنا ہے تاکہ گریٹر اسرائیل کے منصوبے کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ کو دور کیا جا سکے۔ دوسری طرف مودی کا انتہاپسند انڈیا اکھنڈ بھارت اور ہندوتوا کے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے پاکستان کو ''رام'' کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اندرونی طور پر پاکستان بدترین سیاسی اور معاشی بحران کا شکار ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے خصوصاً نوجوان نسل کی حیا، یعنی ایمان پر کاری ضربیں لگائی جا رہی ہیں۔ ہم نے انہیں قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ سے جوڑنے میں مزید غفلت برتی تو شیطان کا ٹولا انہیں اُچک کر لے جائے گا۔ دہشت گردی کے عفریت نے بعض صوبوں میں امن و امان کو تباہ کر رکھا ہے اور مقتدر حلقے ماضی کی غلطیاں دہراتے ہوئے پھر آپریشن کر رہے ہیں۔

ہر سال ماہِ ستمبر میں یومِ دفاع اور 10 مئی کو یومِ بنیان مرصوص منا کر ہم گہرے بادلوں کی طرح واضح طور پر چھائے ہوئے خطرات سے نہیں نمٹ سکتے۔ ہم یہ نہ بھولیں کہ 1971ء میں پاکستان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ایک کوڑا برسا جب سقوطِ ڈھاکہ، جسے اصلاً سقوطِ مشرقی پاکستان کہنا چاہیے، کا جانکاہ قومی و ملی سانحہ پیش آیا۔

پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور اسلام کے عطا کردہ عادلانہ نظام ہی میں پاکستان کی بقا، سلامتی، سالمیت اور خوش حالی مضمر ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جو مہلت اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے اُس سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔ ہمارا کامل ایمان ہونا چاہیے کہ صرف اللہ ہی ہمارا حقیقی سہارا ہے اُس کے سوا تمام سہارے دجل و فریب ہیں جو ہماری ہلاکت کا باعث بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فیصلہ کرنے اور پھر اُس پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حُبِّ رسول ﷺ کا سب سے بڑا تقاضا

(الصف:9، الفتح:28، التوبہ:33 کی روشنی میں)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ ﷾ کے 28 اگست 2026ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

مرتب: ابو ابراہیم

خطبۂ مسنونہ اور تلاوت آیات قرآنی کے بعد!

ربیع الاول کے مہینے میں ہمارے ہاں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ یہ محبت اور عقیدت سر آنکھوں پر لیکن بحیثیت اُمتی ہمیں ذرا غور وفکر بھی کرنا چاہیے کہ آپ ﷺ سے محبت کے اصل تقاضے کیا ہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ داڑھی رکھ لی، مسواک، خوشبو اور سرمے کا اہتمام کرلیا، شلوار ٹخنوں سے اوپر کرلی تو سنت پوری ہوگئی۔ بلاشبہ یہ بھی سنت کے آداب ہیں لیکن صرف اتنا اہتمام کرلینے سے سنت اور آپ ﷺ سے محبت کے تقاضے پورے نہیں ہوجاتے۔ آپ ﷺ کو صرف دعوت و تبلیغ کے لیے نہیں بھیجا گیا، بلکہ اللہ کے احکام کے نفاذ اور دین کے غلبے کی جدوجہد کے لیے بھیجا گیا۔ قرآن میں تین مقامات (الصف:9، الفتح:28، التوبہ:33) پر آپ ﷺ کے مقصد بعثت کو بیان فرمایا گیا:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ ﴾ ’’وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر۔‘‘

اس مشن کے لیے آپ ﷺ نے 23 برس مسلسل جدوجہد کی۔ طائف کی گلیوں میں اپنا خون اطہر بھی بہایا، اُحد کے میدان میں زخم بھی کھائے، جنگیں بھی لڑی ہیں اور اپنے پیاروں کو اللہ کے دین کی خاطر شہید ہوتے بھی دیکھا۔ یہ آپ ﷺ کی سب بڑی سنت ہے۔ ختم نبوت کے بعد اس عظیم مشن کے لیے جدوجہد کرنے کی ذمہ داری اُمت کے کندھوں پر ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام ﷡ نے اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا اور پوری دنیا میں اسلام کے پیغام کو پھیلایا اور تین براعظموں پر مشتمل ایک بہت بڑے خطہ ارضی پر اللہ کے دین کو عملاً قائم و نافذ بھی کیا۔ اس مشن کی تکمیل ابھی باقی ہے اور اس کی ذمہ داری اُمت مسلمہ کے کاندھوں پر ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس موضوع پر تفصیلاً کلام کیا ہے جو اب ’’نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت‘‘ کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں بھی موجود ہے۔ آج اُمت اپنے مشن اور آپ ﷺ کی سب سے بڑی سنت کو فراموش کر چکی ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مولانا مودودیؒ، یوسف القرضاویؒ، علامہ اقبالؒ جیسے لوگوں نے اپنی طرف سے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کو لازم قرار دے دیا تھا۔ اس طرح کی باتیں سوشل میڈیا پر بھی چلتی رہتی ہیں اور کچھ نام نہاد دانشور ٹی وی چینلز پر بیٹھ کر مغرب کے ایجنڈے کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں کہ ریڈیکل اسلام نہیں ہونا چاہیے، پولیٹیکل اسلام نہیں ہونا چاہیے وغیرہ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دین انفرادی اعمال تک محدود ہے، انفرادی سطح پر نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، خیرات وصدقات کا اہتمام کرلو، کچھ مذہبی رسومات میں شمولیت کرلو تو بس دین پورا ہوگیا، ریاست، حکومت، اقتدار، سیاست، عدالت، معیشت اور معاشرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیا کے دیگر مذاہب تو ایسے ہی ہیں کہ ان بیچاروں کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ فرد کے لیے بھی ہے، پورے معاشرے اور پورے نظام کے لیے بھی اور پورے عالم کے لیے بھی۔ اسی طرح بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ایک مشن تھا جو آپ ﷺ کے ہاتھوں پورا ہوگیا، اب باقی کوئی کام نہیں رہ گیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کی احادیث موجود ہیں کہ قیامت سے پہلے پوری زمین پر اللہ کے دین کا غلبہ ہونا ہے ان شاء اللہ۔ ان تمام غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے ہم نے گزشتہ دو خطبات جمعہ میں اسلاف کی آراء کو بھی پیش کیا، جن کے مطابق اقامت دین کی جدوجہد کا واجب ہونا موجودہ دور کی ایجاد نہیں ہے بلکہ یہ صحابہ کرام ﷡ اور اسلاف کے نزدیک بھی واجب تھی۔ آج ہم اسی تسلسل میں ماضی کے پانچ مفسرین اور حال کے پانچ اہل علم اور مفسرین کے 10 اقوال اور آراء کو پیش کریں گے تاکہ علی وجہ البصیرت پورے یقین کے ساتھ واضح ہو جائے کہ اقامت دین کی جدوجہد صرف دور حاضر کا تقاضا نہیں ہے بلکہ یہ ساڑھے 1400 سال سے دین کا شرعی تقاضا ہے اور اس پر اُمت کا اجماع رہا ہے۔

سب سے پہلے امام قرطبیؒ کی تفسیر کے الفاظ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں جو انہوں نے سورۃ الصف کی آیت 9، سورۃ الفتح کی آیت 28، التوبہ کی آیت 33 کی تشریح میں لکھے ہیں۔ اُن کی وفات 671ھ میں ہوئی، یعنی آج سے ساڑھے سات سو سال پہلے کی تفسیر ہے۔ فرماتے ہیں:

’’تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے) یعنی اسے تمام ادیان پر بلندی عطا فرمائے۔ بلکہ اظہار سے مراد قہر و غلبہ ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص غالب آ گیا‘‘ جب وہ جیت جائے۔ یہاں ’الدین‘ سے مراد دین اسلام ہے اور غالب ہونے والے رسول اللہ ﷺ، آپؐ کی ملت اور آپ کا طریقہ کار ہے۔ (خواہ) یہ غلبہ آپ ﷺ کی حجت، دلیل اور علمی دلائل کی بنیاد پر ہو یا پھر تلوار اور طاقت کے ذریعے۔ یہاں تک کہ زمین پر اسلام کے سوا کوئی ایسا دین باقی نہ رہے جس کی پیروی کی جائے۔‘‘

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ط﴾ (یوسف:40) ''اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے۔''

انفرادی سطح پر کوئی کافر ہے تو اس کو دعوت دی جائے گی مگر اُسے جبراً مسلمان نہیں کیا جائے گا جبکہ اجتماعی سطح پر اللہ کی حاکمیت کے سوا کسی اور کی حاکمیت قبول نہیں ہے۔ یہ اللہ کی کتاب کا موقف ہے۔

ابن کثیرؒ تاریخ اسلام کے معروف مفسر ہیں۔ اُن کی وفات 771 ہجری میں ہوئی۔ یعنی آج سے 653 سال قبل انہوں نے زیر مطالعہ آیت (الصف:9، الفتح:28، التوبہ:33) کی تفسیر میں لکھا:

''(اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے دین کو) زمین کے تمام دوسرے ادیان (مذاہب) پر غالب کر دے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وعدہ ہے کہ وہ یقیناً اپنے رسول ﷺ کو تمام دیگر ادیان پر غلبہ عطا فرمائے گا اور یہ دین وہاں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک رات اور دن پہنچتے ہیں اور اس (آیت) میں اس بات کی دلیل ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور دین کو غالب کرنے کے لیے کوشش اور جہاد کرنا واجب ہے۔''

صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کے تمام مشرقوں اور مغربوں کو سمیٹ دیا، اور عنقریب میری اُمت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹی گئی تھی۔''

یہ ہونا ابھی باقی ہے اور صدیوں پہلے ابن کثیرؒ بھی اس کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ زیر مطالعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اور شرک و ظلم کے خاتمہ کے لیے جدوجہد اور جہاد کرنا واجب یعنی فرض ہے تاکہ دین کو غالب کرنے کا الٰہی وعدہ مکمل طور پر پورا ہو جائے۔ اکثر فقہاء کے ہاں واجب اور فرض ایک ہی بات ہے۔ یہ جدوجہد امام ابن کثیرؒ کو تو سمجھ آ رہی ہے اور وہ صدیوں پہلے قرآن وحدیث کی روشنی میں فرما رہے ہیں کہ غلبۂ دین کی جدوجہد کرنا فرض ہے۔

تیسرا حوالہ امام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ میں موجود ہے۔ ان کی وفات 728 ہجری میں ہوئی۔ یعنی سات صدیاں قبل ان کا یہ موقف تھا۔ فرماتے ہیں:

''(اللہ نے رسول کو اس لیے بھیجا) تاکہ وہ اس (دین) کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ پس اُمت پر واجب ہے کہ وہ ایسا اقتدار اور قوت قائم کرے جس کے ذریعے دین کی نصرت (مدد) کی جائے اور حدود شرعیہ قائم کی جائیں۔ پس جس چیز کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہو سکے، وہ چیز بھی واجب ہو جاتی ہے اور دین کا غلبہ، قوت اور حاکم سلطنت کے وجود کو لازم پکڑتا ہے (یعنی اس کے بغیر ممکن نہیں)۔''

نماز فرض ہے مگر وضو کے بغیر نہیں ہو سکتی لہٰذا وضو بھی فرض ہے۔ اسی طرح اللہ کی شریعت کے بہت سارے احکامات اجتماعی معاملات سے متعلق ہیں، ان احکامات کو قائم اور نافذ کرنا فرض ہے مگر اسلامی ریاست کے قیام کے بغیر ان احکام پر عمل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا قیام یا اللہ کے دین کے غلبے کی جدوجہد بھی فرض شمار ہوگی۔ یہ بات ابن تیمیہؒ کو سات سو سال پہلے سمجھ میں آ رہی ہے۔ مگر آج بعض لوگوں کو سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ثابت ہوا کہ ہم نے دین کے بہت سے اصولوں کو فراموش کر دیا ہے۔

چوتھا حوالہ امام ابن عاشورؒ کی ''التحریر والتنویر من التفسیر'' کا ہے۔ ان کی وفات 1973ء میں ہوئی۔ گویا حال کی بات ہے۔ اظہار دین کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اور (آیت میں) 'الاظہار' (غالب کرنے) کے فعل میں 'الاعلاء' (برتری و بلندی دینے) اور 'النصر' (نصرت و مدد و نصرت کرنے) کا معنی تضمین کے طور پر (شامل) ہے اور ﴿الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ سے مراد (دنیا میں) موجود تمام ادیان و مذاہب کی اجناس (ان کی تمام قسمیں) ہیں، لہٰذا یہاں عموم کا استغراق (یعنی تمام تر احاطہ) ان تمام ادیان کو شامل ہے۔ خواہ وہ شرعی (آسمانی) ادیان ہوں یا موضوعہ (خود ساختہ و انسان کے گھڑے ہوئے) ادیان۔''

مطلب یہ ہے کہ اسلام کو اپنی ہدایت، احکام اور اقتدار کے اعتبار سے تمام دیگر نظاموں سے برتر و فائق بنا دیا جائے۔ اس طور پر کہ اسلام کا نظام بلند و اعلیٰ رہے اور شریعت اسلامی ہی کو تمام انسانی وضع کردہ قوانین اور ضابطوں پر حاکمیت اور فوقیت حاصل ہو۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ کا انتقال 2015ء میں ہوا۔ ان کی فقہی کتاب الوجیز ہمارے ہاں بھی اہل علم پڑھاتے ہیں۔ ان کی تفسیر المنیر عقیدے اور حکمت کے بیان میں بھی اور شریعت کے احکام کے بیان میں بہت جامع تفسیر ہے۔ سورۃ التوبہ:33 اور سورۃ الفتح:28 کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

''لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ: یعنی وہ دین اسلام کو دیگر تمام ادیان و مذاہب پر غالب اور نمایاں کر دے۔ اور یہ غلبہ و اظہار دو مرحلوں میں مکمل ہوتا ہے: پہلا مرحلہ: دلیل، برہان اور فکری و علمی بنیادوں پر ہوگا۔ دوسرا مرحلہ: عملی، سیاسی (اور اقتداری) غلبہ (یعنی زمین میں اسلام کے نظام اور حکومت کا قائم ہونا)۔''

اسلام محض فکری اور علمی غلبے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ عملی اور سیاسی نفاذ و حاکمیت کا ہدف رکھتا ہے۔ لہٰذا دعوت دین کے کام میں مشغول رہنا، دلائل اور براہین کے ذریعے اسلام کے غلبے کی جدوجہد کرنا اور اقامت دین کی جدوجہد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے تاکہ زمین پر اللہ کی شریعت کا نفاذ ممکن ہو سکے۔

اب ہم برصغیر سے بھی پانچ جید علماء کی آراء اور پانچ تفاسیر کے حوالے پیش کریں گے تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ اقامت دین کی جدوجہد کی بات کرنا کوئی نیا رجحان نہیں ہے۔

برصغیر میں پہلا نام شاہ ولی اللہؒ کا ہے۔ ان کی وفات 260 برس قبل ہوئی۔ فرماتے ہیں: جان لو کہ نبی کریم ﷺ کو جب تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا گیا تو آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تمام ادیان پر دین اسلام کا غلبہ، فاسقوں اور ظالموں کی شوکت یعنی طاقت کو توڑنا، ظالموں کا خاتمہ کرنا اور عادلانہ نظام کو قائم کرنا ثابت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ صرف چند عبادات اور رسومات سکھانے کو نہیں آئے تھے بلکہ ایک عالمی نظام عطا کرنے کے لیے آئے تھے۔ وہ عطا کر گئے، اب اس نظام کو قائم کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں فرماتے ہیں کہ آیت میں لیظھرہ کے لام کے کئی استعمالات ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بھیجے جانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کیا جائے اور غلبے سے مراد صرف دلائل و براہین کا غلبہ نہیں بلکہ شوکت و اقتدار اور حکومت کے لحاظ سے غلبہ ہے۔ علمی غلبہ تو اسلام کو حاصل ہے۔ بڑے بڑے مناظرے آپ نے دیکھے ہوں گے۔ شیخ احمد دیداتؒ، ڈاکٹر ذاکر نائیک اور دیگر مسلم سکالرز نے اس میدان میں بہت کام کیا ہے اور بڑی مقبولیت حاصل کی ہے۔ لاکھوں لوگ اسلام بھی لائے ہیں۔ مگر سارے مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام کا غلبہ صرف دلیل کے لحاظ سے کافی نہیں ہے بلکہ سیاست، معیشت اور معاشرت پر بھی اسلام کا عملاً غلبہ ہونا چاہیے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا مشن تھا۔

تیسرا حوالہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کا ہے۔ وہ سورۃ الحدید کی آیت 25 کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ کتاب اور میزان کے ساتھ لوہا بھی اُتارنے کا مقصد یہی

ہے کہ جو لوگ صرف کتاب اور میزان یعنی کچھ نصیحت کی باتوں اور عدل و انصاف کی معقول باتوں سے سیدھے راستے پر نہ آئیں ان کو لوہے یعنی تلوار کی قوت سے سیدھا کیا جائے گا۔ ابوجہل کی گردن اُڑانی پڑے گی۔ اُڑائی گئی تاکہ کوئی ظالم عدل کے نفاذ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ دین کا قیام اور عدل کا انتظام بغیر قاہرانہ قوت یعنی حکومت کے ممکن نہیں ہو سکتا لہٰذا نفاذ ضروری ہے۔

اسی طرح اہل حدیث مکتب فکر سے مولانا عبدالسلام بھٹوی صاحبؒ معروف شخصیت ہیں۔ ان کی بہت جامع تفسیر ہے اور اس میں بڑا انقلابی رنگ بھی ہے۔ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت و سچا دین دے کر اسی لیے بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اب دعوت و جہاد کے ذریعے دین کا پرچم بلند رکھنے کا کام اُمت مسلمہ کے سپرد ہے کیونکہ اُمت ہی نبی کریم ﷺ کی دعوت کی وارث اور جانشین ہے۔

وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

یہ ذمہ داری ہماری ہے، ختم نبوت کے بعد اب ہم نے یہ کام کرنا ہے۔

برصغیر سے پانچواں حوالہ بریلوی مکتب فکر سے پیر کرم شاہ الازہری صاحبؒ کا پیش ہے۔ فرماتے ہیں کہ اسلام دنیا پر اس لیے غالب نہیں کیا جا رہا ہے کہ کوئی خاص قوم یا نسل دوسرے انسانوں پر اپنی حکمرانی قائم کرے، بلکہ اس کا مقصد تمام باطل اور استحصالی نظاموں کے طوق کو انسانیت کی گردن سے ہٹانا اور عدل و انصاف کا ایسا نظام قائم کرنا ہے جس میں ہر انسان کو اس کے حقوق میسر آئیں۔

یہ 10 حوالے ہم نے قارئین کے سامنے پیش کیے تاکہ واضح ہو جائے کہ اقامت دین کی جدوجہد کا کام کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ ساڑھے 14 سو سال سے اُمت کے علماء اور مفسرین کے نزدیک واجب اور فرض رہا ہے۔ مولانا مودودیؒ، ڈاکٹر اسرار احمدؒ، سید قطب شہیدؒ، یوسف القرضاویؒ نے اپنی طرف سے کچھ پیش نہیں کیا۔ سید قطب شہیدؒ فرماتے ہیں: انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین یعنی طاغوت کو ختم کر کے شریعت الٰہی کا نفاذ کرنا اقامت دین کا اصل جوہر یعنی حاصل ہے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: تمام ادیان پر اسلام کو غالب کرنا محض پسندیدہ کام نہیں بلکہ اُمت کے لیے بنیادی فرض ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے ہیں: **لیظہرہ** کا لفظ ایک ایسی باطل شکن جدوجہد کا حکم دیتا ہے جس کا منطقی انجام اور حتمی منزل خلافت راشدہ (کی طرز پر نظام) کا قیام اور نظام اسلام کا عملی نفاذ ہے۔ معلوم ہوا کہ تنظیم اسلامی آج کے دور میں لوگوں کو جو دعوت پیش کر رہی ہے وہ کوئی نئی دعوت نہیں ہے بلکہ ساڑھے 14 سو سال سے اُمت کا اس پر اجماع رہا ہے۔ بحیثیت اُمتی اقامت دین کی جدوجہد ہم پر فرض ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس فرض کی ادائیگی کے لیے اپنا خون اطہر بہایا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانیں پیش کی ہیں، روز قیامت جب ہم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس فرض کی ادائیگی کے لیے کیا کیا تو ہم کیا جواب دیں گے؟

حالات حاضرہ:

پچھلے دنوں نیشنل پریس کلب اسلام آباد میں چند لبرل قسم کے لوگوں نے تحفظ ناموس رسالت کے قانون 295-C کو کالا قانون کہا ہے اور اس کے خاتمے کی بات کی ہے۔ اس پر ہم احتجاج ریکارڈ کرواتے ہیں۔ یہ اُمت کے جذبات سے کھیلنے والی بات ہے اور تماشا دیکھیے کہ ماہ ربیع الاول میں یہ سب حرکات ہو رہی ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو گستاخوں کو بچانے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ گستاخوں کے ساتھ ان کی ہمدردیاں ہیں، تحفظ ناموس رسالت کا قانون ان کو پسند نہیں۔ ہمارے ریاستی اداروں کو ان کے خلاف قانونی ایکشن لینا چاہیے اور ان کے خلاف کارروائی کرنی چاہیے۔ ایسے لوگوں کو کھلی چھوٹ دینا عوام کو قانون ہاتھ میں لینے کی دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ممتاز قادری کو نہ بھولا جائے۔ بے شک آج کے مسلمان بے عمل ہو چکے ہیں مگر بے غیرت نہیں ہوئے۔ ان لوگوں کو 295-C سے مسئلہ کیوں ہے، وجہ صاف ظاہر ہے جو چور ہوتا ہے اس کو ہی چوری کی سزا سے پریشانی ہوتی ہے۔ جس نے چوری نہیں کرنی اس کو اس سزا سے مسئلہ نہیں ہوگا۔ تحفظ ناموس رسالت کا قانون اُن لوگوں کے لیے ہے جو گستاخی کریں گے۔ اس سے پریشانی بھی ان کو ہے جو گستاخیاں کرتے ہیں یا کرواتے ہیں، یا پھر گستاخیاں کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ پس پردہ ایجنڈا یہ ہے کہ روح محمدیؐ اُمت کے دلوں سے نکال دی جائے، مسلمانوں میں غیرت ایمانی کا خاتمہ ہو جائے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور سچا اور عملی مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ۞

گوشۂ انسدادِ سود

پاکستان میں انسدادِ سود کی کوششوں کی تاریخ اور مستقبل کے امکانات

(گزشتہ سے پیوستہ)

ضمیمہ (III)

ایں خیال است ومحال است وجنوں!

بلاشبہ یہ ایک ایسا اعزاز ہے جس پر حاملین دین متین جتنا فخر کریں کم ہے جتنا ناز کریں کم ہے۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دورِ حاضر کے مختلف فتنوں نے ہمارے اس اعزاز کو معذرت خواہانہ سوچ اور رویے میں بدل دیا ہے۔ چنانچہ اسلام پسند طبقات میں ایسے افراد اور گروہ وجود میں آ گئے ہیں جنہیں "بائیں بازو" کے قرار دینا زیادہ موزوں ہے۔ ان کی سوچ سیکولر اور فکر لبرل ہے' سیاسی دینداری جمہوریت پر مبنی' البتہ مذہبی وابستگی اسلام کے ساتھ ہے۔ ان اسلام پسندوں کو ہر وہ بات بھلی لگتی ہے جو جدید رجحانات کے موافق ہو اور جس میں خصوصاً اسلامی اقدار' شریعت کے احکام اور اسلاف کی روایات پر زد پڑتی نظر آئے۔ اس طرزِ فکر کے حاملین کو کبھی کبھار اُن باتوں کی تائید کرنا اور اپنے جدیدیت پر مبنی رجحانات کے حق میں استعمال کرنا بھی مفید مطلب ہوتا ہے جو بعض راسخ فی العلم کے حامل روایت پسند (آرتھوڈاکس) اہل علم کی جانب سے سامنے آئیں' البتہ جن کے علم و فکر سے ہمیشہ بائیں بازو کے اسلام پسندوں کو بے اطمینانی ہی رہتی ہے۔

(جاری ہے)

بحوالہ: ''انسدادِ سود کا مقدمہ اور وفاقی شرعی عدالت کے 14 سوال'' از حافظ عاطف وحید

آہ! فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف فیصلہ کو 1595 دن گزر چکے!

حصہ اوّل

حبِ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

اطاعت اور محبت وہ دو اہم الفاظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا گیا: ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ --- اسی طرح محبت کا لفظ اللہ کے لیے بھی آتا ہے اور رسولؐ کے لیے بھی۔ جیسے سورۃ التوبۃ کی آیت 24 میں فرمایا: ترجمہ: ’’(اے نبی ﷺ! ان مدعیانِ ایمان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ اور اپنے بیٹے اور اپنے بھائی اور اپنی بیویاں اور اپنے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بڑی محنت سے کمائے ہیں اور جمع کیے ہیں اور اپنے وہ کاروبار جو تم نے بڑی مشقت سے جمائے ہیں اور جس میں تمہیں کساد کا اور مندے کا خوف رہتا ہے اور اپنی وہ عمارتیں جو تم نے بڑے ارمانوں کے ساتھ تعمیر کی ہیں جو تمہیں بڑی بھلی لگتی ہیں اگر یہ چیزیں تمہیں محبوب تر ہیں اللہ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تو جاؤ انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

یہاں حبِ اللہ کے ساتھ حبِ رسول کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی جہاد فی سبیل اللہ کی محبت کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

جب اللہ کی اطاعت اور اللہ کی محبت دونوں کو جمع کریں گے تو حاصل جمع کا نام ’’عبادت‘‘ ہے۔ عبادت صرف اللہ کی ہے رسول کی نہیں ہے۔ اور جب رسول کی اطاعت اور رسول کی محبت کو جمع کریں گے تو حاصل جمع کو عبادت نہیں بلکہ ’’اتباع‘‘ کہا جائے گا۔

عبادت کا اصل مفہوم ہے: ’’انتہائی محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اللہ کی بندگی اور پرستش کرنا‘‘ اور اتباع کا مفہوم ہے: ’’محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر پیروی کرنا‘‘۔ اطاعت اور اتباع میں فرق یہ ہے کہ اطاعت کسی کے حکم کی جاتی ہے جبکہ اتباع یہ ہے کہ کسی ہستی سے اتنی محبت ہو جائے کہ چاہے اُس نے حکم نہ دیا ہو لیکن اس ہستی کے ہر عمل اور فعل کی پیروی کرنا۔

اتباع کا درجہ اطاعت سے بلند ہے اور اس کے مفہوم میں بہت وسعت ہے۔ اطاعت میں صرف حکم پیش نظر ہو گا اور اتباع میں نبی اکرم ﷺ کے ہر ہر عمل اور فعل کو بلکہ ہر ہر ادا کی پیروی کو سعادت سمجھا جائے گا چاہے آپؐ نے اس کا حکم نہ دیا ہو۔ گویا حبِ رسول ﷺ کا تقاضا، اتباعِ رسول ﷺ ہے۔

اتباعِ رسول کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ہم اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ بحیثیت مجموعی حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا رُخ کیا تھا! آپؐ نے کس کام کے لیے محنت کی! آپؐ کو کیا فکر دامن گیر تھی! آپؐ نے اپنی دن رات کی سعی و کوشش اور محنت و مشقت کا ہدف کیا معین فرمایا! --- اس دنیا میں ہر شخص شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لیے کوئی نہ کوئی ہدف معین کرتا ہے‘ پھر اس کی ساری محنت اور بھاگ دوڑ اسی رخ پر ہوتی ہے۔ کوئی اپنے پیشے میں اعلیٰ سے اعلیٰ مہارت حاصل کرنے کے لیے اور اپنا مقام بنانے کے لیے محنت اور سعی و جہد کرتا ہے۔ یہ ساری سوچ اس کے ہدف کے تابع ہے۔

سیرتِ مطہرہ کا سرسری سا بھی مطالعہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے مشن کے لیے کتنی محنت کی ہے اور کتنی مشقت جھیلی ہے۔ ہم اگر حضور ﷺ کا اتباع کرنے کے خواہشمند ہیں تو ہمارے لیے اہم ترین بات یہ ہو گی کہ حضور ﷺ کی زندگی کا رُخ کیا تھا! آپؐ کے سامنے کیا مقصد تھا! کس ہدف کے حصول کے لیے آپؐ نے سعی و جہد فرمائی تھی!

مکہ میں نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت ترین مصیبتیں جھیل رہے ہیں‘ حضورؐ کے ساتھیوں کو دہکتے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہے‘ مکہ کی سنگلاخ اور تپتی ہوئی زمین پر گردن میں رسی ڈال کر جانوروں کی لاش کی طرح گھسیٹا جا رہا ہے۔ ایک مومنہ کو نہایت بہیمانہ ہی نہیں بلکہ انتہائی کمینگی سے شہید کیا جا رہا ہے۔ ایک مومن کے ہاتھ پاؤں چار اونٹوں سے باندھ کر اُن اونٹوں کو چار سمت میں ہانک دیا جاتا ہے کہ جسم کے چیتھڑے اُڑ جاتے ہیں‘ لیکن جوابی کارروائی کی اجازت نہیں ہے۔ مکہ میں بارہ برس تک حضور ﷺ کے کسی جاں نثار نے مشرکین مکہ کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی‘ کوئی بدلہ نہیں لیا۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کا فرمان تھا کہ اپنے ہاتھ باندھے رکھو! کوئی جوابی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ حالانکہ مکہ میں جو حضرات گرامی دولت ایمان سے مالا مال ہوئے تھے اُن میں سے ہر ایک شجاعت و بہادری میں ایک ایک سو کے برابر ضرور تھا‘ اور ان کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ تھی۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے حکم ’’کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ‘‘ کی تعمیل میں کسی نے اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ ایک طرف یہ انتہا ہے‘ دوسری طرف مدنی دور میں حضور ﷺ کے ہاتھ میں تلوار ہے‘ علم ہے۔ آپؐ کے جاں نثار اصحاب رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں تلواریں ہیں‘ نیزے ہیں‘ تیر کمان ہیں۔ جوابی کارروائی ہو رہی ہے۔

پچھلی چند صدیوں میں جب نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمِ اسلام کے کثیر رقبہ پر مغربی سامراج کا سیاسی و عسکری استیلاء تھا اور اکثر مسلم ممالک کسی نہ کسی مغربی طاقت کے غلام تھے‘ حکمران اقوام کی طرف سے اسلام پر بڑے شدید اعتراضات کیے گئے کہ اسلام بڑا خونخوار مذہب ہے‘ مسلمان بڑی خونی قوم ہے اور اسلام تو تلوار کے زور پر پھیلا ہے ع ’’بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے‘‘۔ اغیار نے ہم پر یہ تہمت اس شد و مد سے لگائی کہ علامہ شبلی مرحوم جیسے عالم دین‘ سیرت نگار‘ مورخ نے بھی معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا اور سیرت کی پہلی جلد میں لکھا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اقدام میں نہ پہل کی اور نہ تلوار اُٹھائی‘ بلکہ تلوار اُٹھائی تو مجبوراً اور اپنی مدافعت میں اُٹھائی۔ علامہ شبلی مرحوم تو پھر بھی اس معاملے میں قابل عفو قرار دیے جا سکتے ہیں کہ اُن کا دور وہ تھا جب انگریز کی حکومت اور اُس کا غلبہ تھا۔ لیکن حیرت اور افسوس اس بات پر ہے کہ ایک دینی جماعت کے پلیٹ فارم سے ایک نامور عالم دین کی طرف سے پاکستان کی آزاد فضا میں یہ کہا گیا ہے کہ ’’حضور ﷺ اور دورِ خلافت راشدہ میں جتنی جنگیں ہوئی ہیں وہ صرف دفاعی جنگیں تھیں‘‘۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ!

اصولی بات یہ ہے کہ تصادم کا آغاز اصولاً داعیٔ انقلاب کرتا ہے‘ اقدام اُس کی جانب سے ہوتا ہے۔ غور کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز کہاں سے فرمایا! آپؐ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور گلی گلی صدا بلند فرمائی: ((یَا اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا)) (مسند احمد) اس دعوت کے مضمرات اور مفہوم پر غور کیجیے‘ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ تمہارا مذہب غلط ہے اور اس مشرکانہ مذہب پر قائم شدہ تمہارا نظام فاسد ہے۔ یہ صدیوں سے قائم و رائج نظام کے

خلاف اعلانِ بغاوت ہے یا نہیں؟ مکہ کی پرامن فضا میں نعرۂ بغاوت کس نے بلند کیا؟ پرسکون شہری زندگی کے تالاب میں پتھر کس نے پھینکا کہ پورے تالاب میں ارتعاش کی لہریں اٹھ گئیں!

ہجرت کے بعد مکہ والوں کے خلاف اقدام میں پہل حضور ﷺ کی طرف سے ہوئی ہے۔ ہجرت کے بعد پہلے چھ مہینے حضور ﷺ نے داخلی استحکام میں صرف فرمائے۔ اس کے بعد آپؐ نے غزوۂ بدر سے قبل آٹھ چھاپہ مار دستے بھیجے جن میں سے چار میں آپ خود سپہ سالار تھے۔ ان مہموں کے دو مقصد تھے۔ پہلا قریشِ مکہ کے قافلوں کے راستوں کو مخدوش بنانا جو قریش کی معاشی زندگی کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسے موجودہ دور کی اصطلاح میں قریش کی معاشی ناکہ بندی کہا جائے گا۔ دوسرا مقصد تھا قریش کی سیاسی ناکہ بندی۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ اور مدینہ منورہ کے مابین بسنے والے بعض قبیلوں کو اپنا حلیف بنا لیا اور بعض کو غیر جانب دار کہ وہ جنگ کی صورت میں نہ حضور ﷺ کا ساتھ دیں گے نہ قریش کا۔ انہی میں سے ایک مہم عبداللہ بن جحش h کی سرکردگی میں وادیٔ نخلہ بھیجی۔ یہ وادی طائف اور مکہ کے مابین واقع ہے۔ اس راستے سے قریش کے تجارتی قافلے طائف سے ہو کر یمن کے ساحل تک جاتے تھے۔ حضور ﷺ کی ہدایت تھی کہ قریش کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھو اور ہمیں خبر دیتے رہو۔ ان حضراتؓ کو لڑائی کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ لیکن صورتِ حال ایسی پیش آئی کہ اس دستے کی قریش کے ایک قافلے سے مڈبھیڑ ہو گئی جو کافی مالِ تجارت اور پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ ان مشرکین میں سے ایک شخص قتل ہوا‘ دو فرار ہو گئے‘ دو کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کو اور مالِ غنیمت کو لے کر یہ حضراتؓ مدینہ واپس آ گئے۔ ہجرت کے چھ ماہ بعد آٹھ مہمات کی صورت میں اقدام کی پہل نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہوئی اور پہلا مشرک مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

یہ بات تو ساری دنیا کو معلوم ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد متعدد جنگیں لڑی ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں نقشہ کھینچا گیا ہے: ترجمہ: ”اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں‘ پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں“ (التوبہ: 111) تو مکی زندگی اور مدنی زندگی کا فرق سامنے ہے۔ ان میں بظاہر بڑا تضاد موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مشہور مورخ ٹائن بی (1889ء تا 1975ء) جسے اس دور میں فلسفہ تاریخ میں اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے‘ نے ایک جملے میں پورا زہر بھر دیا ہے۔ نقلِ کفر کفر نہ باشد۔ وہ کہتا ہے:

"Muhammad failed as a Prophet but succeeded as a statesman"

اُس کے اس جملہ کی زہرناکی کو آپ نے محسوس کیا! وہ یہ کہہ رہا ہے کہ مکہ میں محمد (ﷺ) کی زندگی تو نبیوں کے مشابہ ہے۔ دعوت ہے‘ تبلیغ ہے‘ وعظ ہے‘ نصیحت ہے‘ تلقین ہے‘ انذار ہے‘ تبشیر ہے‘ صبر ہے‘ پتھراؤ ہو رہا ہے‘ لیکن جوابی کارروائی نہیں ہو رہی ہے۔ عیسائیوں کے دو آئیڈیل حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلامؑ کی زندگی کا نقشہ یہی تو تھا! حضرت مسیحؑ نے تلوار تو کبھی نہیں اٹھائی! آپ کبھی کسی حکومت کے سربراہ تو نہیں بنے! حضرت یحییٰؑ کے ہاتھ میں بھی کبھی تلوار نہیں آئی! تو ٹائن بی کے نزدیک مکہ میں حضور ﷺ کی جو سیرت نظر آتی ہے وہ نبوت کے نقشہ پر کچھ نہ کچھ پوری اترتی ہے۔ وہ اگرچہ حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتا لیکن یہ مانتا ہے کہ سیرت کا مکہ میں جو نقشہ ہے وہ نبیوں کی سیرت و زندگی سے مشابہ ہے‘ لیکن اس کے کہنے کے مطابق وہاں حضور ﷺ ناکام ہو گئے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ وہاں سے تو جان بچا کر نکلنا پڑا۔ البتہ مدینہ میں اسے محمد رسول اللہ ﷺ بالکل ایک نئی شکل میں نظر آئے۔ سپہ سالار ہیں‘ شہسوار ہیں‘ صدرِ مملکت ہیں‘ مدینہ کی شہری ریاست کے سربراہ ہیں‘ آپ ہی چیف جسٹس ہیں‘ مقدمات آ رہے ہیں اور آپ فیصلے صادر فرما رہے ہیں۔ معاہدے کر رہے ہیں‘ مدینہ آتے ہی یہود کے تینوں قبیلوں کو معاہدہ میں جکڑ لیا ہے‘ عرب کے دوسرے قبائل سے معاہدے ہو رہے ہیں۔ تو وہ کہتا ہے کہ یہ صورت تو ایک سیاستدان کی نظر آتی ہے۔ اس میں پیغمبرانہ شان اُسے نظر نہیں آتی۔

اسی ایک جملہ کی شرح ہے جو ایک برطانوی مورخ مسٹر منٹگمری واٹ (1909ء تا 2006ء) نے دوسرے انداز سے کی ہے۔ چند سال قبل مرکزی حکومت کے زیر اہتمام اسلام آباد میں منعقدہ سیرت کانفرنس میں مسٹر واٹ کو مدعو کیا گیا تھا کہ وہ آ کر ہمیں سیرتِ مطہرہ سمجھائے۔ اس شخص نے سیرت پر دو کتابیں علیحدہ علیحدہ لکھی ہیں۔ ایک کا نام ہے "Muhammad at Mecca" اور دوسری کا نام ہے "Muhammad at Medina" (ﷺ) اس نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو دو حصوں میں بانٹ کر دراصل اس ظاہری تضاد کو نمایاں کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مکہ والے محمد (ﷺ) اور ہیں جبکہ مدینہ والے محمد (ﷺ) اور ہیں۔ یہاں یہ مثال اس لیے دی ہے کہ کسی نہ کسی درجہ میں اور بظاہر تضاد واقعتاً نظر آتا ہے۔ دشمنوں نے اس کا غلط فائدہ اُٹھایا اور اسے تنقید کا موضوع بنا لیا۔ لیکن ہمیں بھی یہ ماننا پڑے گا کہ دو رنگ جدا ہیں جن کی میں بعد میں وضاحت کروں گا کہ ان کا آپس میں ربط کیا ہے۔

6ھ میں حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ اور قریشِ مکہ کے مابین صلح کا ایک معاہدہ ہوا تھا جو صلح حدیبیہ کے نام سے سیرت کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ اس صلح کی شرائط بڑی حد تک یک طرفہ نظر آتی ہیں اور بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے دب کر صلح کی ہے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی مضطرب اور بے چین تھے کہ دب کر کیوں صلح کی جا رہی ہے! ہم اتنے کمزور تو نہیں‘ ہم حق پر ہیں‘ ہم حق کے لیے جانیں دینے کے لیے تیار ہیں۔ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موت پر بیعت کر چکے تھے پھر دب کر صلح کیوں؟ صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ واپس جاؤ‘ احرام کھول دو‘ اس دفعہ عمرہ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اوّل تو یہی بات صحابہ کرامؓ کے لیے ناممکن القبول تھی۔ احرام باندھ کر آئے تھے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ میں اضطراب پیدا ہوا کہ عمرہ کیے بغیر احرام کیسے کھول دیں! پھر ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا کوئی شخص اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ جائے گا (یعنی اسلام قبول کر کے جائے گا) تو مسلمانوں کو اُسے واپس کرنا ہو گا‘ لیکن اگر کوئی شخص مدینہ سے اسلام چھوڑ کر (مرتد ہو کر) مکہ آ جائے گا تو اُسے قریش واپس نہیں کریں گے۔ بظاہر بڑی غیر منصفانہ بات تھی۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے جزبز ہوئے‘ ان کے جذبات میں جوش و ہیجان پیدا ہوا کہ یہ صلح تو مساوی شرائط پر نہیں ہو رہی۔

چنانچہ جب صلح نامہ پر دستخط کے بعد نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ احرام کھول دیے جائیں اور قربانی کے جو جانور ساتھ ہیں اُن کی یہیں قربانی دے دی جائے تو اس وقت صحابہ کرامؓ کے جذبات کا عالم یہ تھا کہ کوئی نہیں اُٹھا۔ کیفیت یہ تھی کہ سب ہی دل شکستہ تھے۔ حضور ﷺ نے دو مرتبہ پھر فرمایا کہ احرام کھول دیے جائیں اور قربانیاں دے دی جائیں‘ لیکن پھر بھی کوئی نہیں اُٹھا۔ حضور ﷺ ملول اور رنجیدہ ہو کر خیمہ میں تشریف لے گئے۔ عام معمول یہ تھا کہ سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ کوئی نہ کوئی زوجہ محترمہؓ ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس سفر میں حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے ساتھ تھیں۔

حضور ﷺ نے اُن سے ذکر فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! آپ کسی سے کچھ نہ کہیے‘ بس آپ قربانی دے دیجیے اور احرام کھول دیجیے۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے‘ قربانی دی اور حجام کو بلایا کہ سر کے بال مونڈ دو اور آپؐ نے احرام کھول دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب یہ دیکھا تو سب کھڑے ہو گئے۔ جو صحابہؓ قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے انہوں نے قربانیاں دیں اور حلق یا قصر کرا کے احرام کھول دیے۔ اس صورتِ حال کی تاویل و توجیہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ پر اُس وقت انتظار کی سی حالت طاری تھی‘ وہ اس خیال میں تھے کہ شاید کوئی نئی شکل پیدا ہو جائے‘ شاید نئی وحی آ جائے۔ لیکن جب حضور ﷺ نے احرام کھول دیا تو حالتِ منتظرہ ختم ہو گئی اور سب نے حکم کی تعمیل کی‘ ورنہ معاذ اللہ ہم صحابہ کرامؓ کے متعلق ہرگز کسی حکم عدولی کا گمان تک نہیں کر سکتے۔ یہ سارا پس منظر قدرے تفصیل سے اس لیے رکھا ہے کہ آپ صحیح اندازہ کر سکیں کہ 6ھ میں حدیبیہ کے مقام پر جو صلح کا معاہدہ ہوا اس کی شرائط واقعتاً غیر مساوی تھیں اور حضور اکرم ﷺ بظاہر دب کر صلح فرما رہے تھے۔ گویا اس وقت آپؐ بہر صورت صلح کرنا چاہتے تھے۔

لیکن دو سال بعد جب قریش نے معاہدے کی ایک شق کی خلاف ورزی کی‘ اور حضور ﷺ نے اس پر ان کی گرفت فرمائی تو قریشِ مکہ نے خود صلح کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ تب ابوسفیان کو جو اس وقت پورے قریش کے قبیلہ کی سرداری کے منصب پر فائز تھے احساس ہوا کہ جذبات میں آ کر ان سے بڑی غلطی ہو گئی ہے‘ یہ صلح تو ہمارے تحفظ کی ضامن تھی‘ اس صلح کی تجدید ہونی چاہیے۔ چنانچہ وہ خود چل کر مدینہ پہنچے‘ سرتوڑ کوششیں کیں‘ سفارشیں ڈھونڈیں کہ کسی طرح حضور ﷺ صلح کی تجدید کی منظوری دے دیں۔ لیکن بارگاہِ رسالت سے صلح کی تجدید کے لیے کوئی مثبت جواب نہیں ملا۔ غور کیجیے‘ یہاں بھی بظاہر بڑا تضاد نظر آتا ہے۔

اب یہ جو ظاہری تضادات نظر آ رہے ہیں‘ ان کے مابین ربط قائم کرنا ہو گا۔ یہ ربط قائم ہو گا نبی اکرم ﷺ کے اصل ہدف اور مقصود کی تعیین سے‘ جس کے لیے آغازِ نبوت سے مسلسل جدوجہد ہو رہی ہے۔ تو جان لیجیے کہ یہ ہدف اور یہ مقصود و مطلوب ہے: ”اللہ کے دین کو غالب کرنا“۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے ایک وقت میں ہاتھ روکنے کا حکم ہے‘ مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے‘ جبکہ ایک وقت میں ہاتھ کھولنے اور اقدام کرنے کا حکم ہے۔ ایک وقت میں اسی مقصد کے لیے صلح مفید ہے‘ لہٰذا صلح کی جا رہی ہے‘ اپنی انانیت کو آڑے آنے نہیں دیا جا رہا‘ دب کر اور کسی قدر شکست خوردگی کے انداز میں صلح کی جا رہی ہے اور ایک وقت میں اس مقصد کی خاطر جب صلح نہ کرنا مفید ہے تب صلح نہیں کی جا رہی ہے۔ تمام تضادات درحقیقت مقصد کو صحیح طور پر سمجھ لینے ہی سے رفع ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں رسولوں کی بعثت کا بنیادی مقصد سورۃ الحدید کی آیت 25 میں بیان فرمایا گیا ہے: ترجمہ: ”بلاشبہ بالتحقیق ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ اور ہم نے ان رسولوں کے ساتھ کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی“۔ یعنی واضح تعلیمات اور واضح نشانیاں دے کر۔ یہ سب کس لیے کیا! رسول کیوں بھیجے! کتاب اور میزان کس لیے نازل فرمائی! اس مقصد کو آیت کے اگلے حصہ میں معین فرمایا گیا: ترجمہ: ”تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں“۔ گویا رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجنے اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان یعنی شریعت نازل فرمانے کی غایت اور مقصد بیان فرما دیا گیا: تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہوں۔ ظلم کا خاتمہ ہو جائے‘ جبر اور استبداد کا خاتمہ ہو جائے اور استحصال کا قلع قمع ہو جائے۔ لیکن یہ نظامِ عدل کون سا ہو گا؟ نظامِ عدلِ اجتماعی کا ایک تصور وہ ہے جو کمیونسٹوں کے ہاں ملتا ہے‘ جبکہ ایک تصور مغربی ممالک کا ہے۔ کوشش سب کی یہ ہے کہ ہم کسی حقیقی نظامِ عدلِ اجتماعی تک پہنچ جائیں‘ لیکن انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے جتنے تصورات ہیں‘ ان میں کسی نہ کسی پہلو سے کوئی نقص یا خامی رہ جاتی ہے۔ حقیقی نظامِ عدلِ اجتماعی صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ذریعے سے نوعِ انسانی کو عطا فرماتا ہے‘ جسے ہم دین و شریعت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اللہ کے آخری نبی اور رسول محمد ﷺ پر اس شریعت کی تکمیل ہو گئی ہے۔

اب ذرا اس پہلو پر غور کیجیے کہ اس نظامِ عدل و قسط کے قیام میں رکاوٹ کون بنے گا؟ ظاہر بات ہے کہ جو مظلوم ہیں وہ تو چاہیں گے کہ ظلم کا خاتمہ ہو‘ جن کے حقوق غصب کیے گئے ہیں وہ تو چاہیں گے کہ ظالمانہ نظام ختم ہو جائے اور عادلانہ نظام قائم ہو۔ مگر جنہوں نے ناجائز طور پر اپنی حکومتوں کے قلادے لوگوں کی گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں اور ایک غیر منصفانہ نظام قائم کیا ہوا ہے‘ کیا وہ کبھی پسند کریں گے کہ استحصالی و ظالمانہ نظام ختم ہو جائے اور عدل و قسط کا نظام قائم ہو؟ لیکن ان طبقات میں بھی کچھ سلیم الطبع لوگ ہوتے ہیں جو بیدار ہو جاتے ہیں‘ ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ نظام غلط ہے۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں خود آلِ فرعون میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔ قرآن حکیم میں ایک مؤمن آلِ فرعون کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ المؤمن کی آیت 28 میں ان کی پوری تقریر نقل کی گئی ہے۔

یہ صاحب جو آلِ فرعون کے اہم سرداروں میں سے تھے‘ فرعون کے دربار میں ان کا اونچا مقام تھا‘ ایمان لے آئے تھے‘ ایسا اس لیے ہوا کہ ان کی انسانیت بیدار تھی۔

سورۃ الحدید کی اس آیت مبارکہ کے اگلے ٹکڑے میں فرما دیا گیا: ترجمہ: ”ایسے لوگوں کی سرکوبی اور علاج کے لیے ہم نے لوہا بھی اتارا ہے۔“

لوہے میں جنگ کی صلاحیت ہے‘ اس سے اسلحہ بنتا ہے۔ لوگوں کے لیے اس لوہے میں دیگر تمدنی فائدے بھی ہیں۔ لیکن اس آیت کی رو سے لوہے کا اصل مقصد یہ ہے کہ میزانِ خداوندی کے نصب کرنے کے مشن میں جو لوگ بھی رسولوں کے اعوان و انصار بنیں اور نظامِ عدل و قسط کے قیام کے لیے تن من دھن لگانے کے لیے تیار ہو جائیں‘ وہ حسبِ ضرورت اور حسبِ موقع اس لوہے کی طاقت کو استعمال کریں اور ان لوگوں کی سرکوبی کریں جو اس راہ میں مزاحم ہوں۔ چنانچہ اسی آیت مبارکہ کے اگلے حصہ میں اس کو اللہ تعالیٰ ایمان کی کسوٹی اور اپنی اور اپنے رسولوں کی نصرت قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ترجمہ: ”یعنی اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہیں اس کے وفادار بندے جو غیب میں رہتے ہوئے اللہ کے دین کی اقامت کے لیے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔“ یہ آیت مبارکہ ختم ہوتی ہے ان الفاظ مبارکہ پر: ترجمہ: ”بے شک اللہ قوی ہے‘ زورآور ہے‘ زبردست اور غالب ہے“۔ یعنی لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر اللہ کی راہ میں محنت کرنے اور اللہ کی نازل کردہ میزان شریعت کو نصب کرنے کی تعلیم و ہدایت اس لیے نہیں دی جا رہی کہ معاذ اللہ وہ تمہاری مدد کا محتاج ہے‘ اُس القوی العزیز کو تمہاری مدد کی کیا حاجت! البتہ تمہاری وفاداری اور ایمان کا امتحان مقصود ہے۔ سورۃ الحدید کی یہ آیت قرآن مجید کی بڑی انقلابی آیت ہے اور اس میں عمومی اسلوب و انداز میں ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر رسولوں کی بعثت کا مقصد‘ ان کو کتاب و میزان دینے کی غایت اور لوہے کے نزول کا سبب بیان ہوا ہے۔

(جاری ہے)

دعا

مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت، تنظیم اسلامی

دعا کے لغوی معنی پکارنا، التجا کرنا اور کسی کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ اس کے بندے اپنی تمام امیدیں اسی سے وابستہ رکھیں، اپنی ہر ضرورت اس کے سامنے پیش کریں، اپنی ہر مشکل اور پریشانی میں اسی کو پکاریں، اسی سے مدد طلب کریں، اسی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، اس کی رحمت کے امیدوار رہیں اور اس کے عذاب سے پناہ چاہیں۔ بندے کے اسی عجز وانکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا نام دعا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝﴾ (المؤمن) ’’اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کی بنا پر اعراض کرتے ہیں، وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر۔‘‘

اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۃ فاطر آیت نمبر 15 میں فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝﴾ (سورۃ فاطر) ’’اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو بے نیاز، حمد کے لائق ہے۔‘‘

1۔ دعا ایمان کا بنیادی تقاضا ہے

ایمان کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ بندہ یہ یقین رکھے کہ نفع ونقصان، عطا ومنع اور کامیابی وناکامی سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے:

’’اے اللہ! جو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جسے تو روک لے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں، اور کسی صاحبِ اقتدار کو تیرے مقابلے میں اس کی طاقت فائدہ نہیں دے سکتی۔‘‘ (متفق علیہ)

2۔ دعا اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا کو بے حد پسند فرماتے ہیں، یہاں تک کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتے ہیں۔‘‘ (جامع الترمذی)

یہ حقیقت قابلِ غور ہے کہ دیگر عبادات اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے کی جاتی ہیں، لیکن دعا ایسی عبادت ہے کہ اس کا ترک کرنا خود اللہ کی ناراضی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس سے دعا کی عظمت اور اہمیت واضح ہوتی ہے۔

3۔ دعا ہر حال میں آسان عبادت ہے

دعا ایسی عبادت ہے جس کے لیے نہ کسی مخصوص جگہ کی پابندی ہے، نہ کسی وقت کی، نہ صحت وبیماری کی، نہ سفر وحضر کی۔ بندہ ہر حال میں اپنے رب کو پکار سکتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝﴾ (سورۃ البقرۃ) ’’اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس انہیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں، تاکہ وہ راہ راست پائیں۔‘‘

4۔ دعا تقدیر کو بھی ٹال دیتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کو نہیں ٹالتی اور حسن سلوک کے سوا کوئی چیز عمر میں برکت کا باعث نہیں بنتی۔‘‘ (جامع الترمذی)

’’بے شک دعا اس مصیبت میں بھی نفع دیتی ہے جو نازل ہو چکی ہو اور اس مصیبت میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی۔ پس اے اللہ کے بندو! دعا کو لازم پکڑو۔‘‘ (جامع الترمذی)

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: ’’دعا تقدیر کا بھی ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مصیبتوں کا ٹلنا دعاؤں کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ اس لیے دعا اور تقدیر میں کوئی تعارض نہیں، بلکہ دعا بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تدبیر ہے۔‘‘

5۔ دعا آزمائشوں میں نفع بخش ہے

دنیا دارالامتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوشی اور غم، آسانی اور تنگی، صحت اور بیماری، فراخی اور تنگی، سب حالات سے آزمانے کا فیصلہ کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (سورۃ البقرۃ:155) ’’اور ہم ضرور تمہیں کسی قدر خوف، بھوک، اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے، اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔‘‘

آزمائشوں میں مومن کا سب سے مضبوط سہارا دعا ہے۔

دعا کی اہمیت

دعا کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا آغاز بھی دعا سے ہوتا ہے اور اختتام بھی۔

قرآن مجید کا آغاز سورۃ الفاتحہ سے ہوتا ہے جس کا مرکزی مضمون ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ (سورۃ الفاتحہ:6)

اور اختتام بھی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پر ہوتا ہے، جو سراسر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی دعائیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندۂ مومن کی زندگی بھی دعا سے شروع ہوتی ہے اور دعا ہی پر مکمل ہوتی ہے۔

دعا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز عمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ عزت والی کوئی چیز نہیں۔‘‘ (جامع الترمذی)

دعا بندے کے فقر واحتیاج اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وقدرت کے اعتراف کا عملی اظہار ہے، اسی لیے یہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

دعا عبادت کا مغز اور روح ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) (جامع الترمذی) ’’دعا ہی

عبادت ہے۔''

اور اسی طرح فرمان نبوی ﷺ ہے:

((الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) ''دعا عبادت کا مغز ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾﴾ (المؤمن) ''اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کی بنا پر اعراض کرتے ہیں، وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر۔''

معلوم ہوا کہ دعا محض عبادت کا حصہ نہیں بلکہ عبادت کی اصل روح ہے، کیونکہ دعا میں بندہ اپنے عجز وانکساری، بندگی وانقیاد اور اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔

آداب دعا

دعا اگرچہ ہر وقت اور ہر حالت میں کی جا سکتی ہے، لیکن شریعت نے اس کی قبولیت کے لیے بعض آداب اور شرائط بھی بیان فرمائے ہیں۔ ان آداب کا اہتمام دعا کی قبولیت کے امکانات کو بڑھا دیتا ہے اور بندے کے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوتا ہے۔

1۔ اخلاص کے ساتھ دعا کرنا

دعا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے۔ اس میں ریاکاری یا غیر اللہ پر اعتماد شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ (المؤمن) ''پس اللہ ہی کو پکارو، اسی کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

اس آیت میں دعا کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ دعا بذات خود عبادت ہے۔

سورۃ یونس آیت 106 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ (سورۃ یونس) ''اور اللہ کے سوا اسے نہ پکاریے جو نہ آپ کو نفع دے سکے اور نہ نقصان، اور اگر آپ نے ایسا کیا تو پھر آپ بھی ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

یہی مضمون سورۃ الفاتحہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ دعا، فریاد اور استعانت کا اصل مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

2۔ دعا کا آغاز حمد و درود سے کرنا

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نماز کے اندر دعا شروع کی اور نبی ﷺ پر درود نہیں بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے نمازی! تم نے جلدی کی۔''

پھر فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے، پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد جو چاہے دعا کرے۔'' (جامع الترمذی)

3۔ دعا عاجزی اور خشوع کے ساتھ کی جائے

ارشاد ربانی ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾﴾ (الاعراف) ''اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو، بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا میں تکلف، تصنع اور آواز بلند کرنا ناپسندیدہ ہے، بلکہ عاجزی، انکساری اور دل کی حضوری مطلوب ہے۔

4۔ قبلہ رُخ ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

اگرچہ ہر حالت میں دعا جائز ہے، تاہم سنت یہ ہے کہ اہم مواقع پر قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ قبلہ رُخ کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور مسلسل اپنے رب سے دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے گر گئی۔ (صحیح مسلم)

5۔ یقین کامل کے ساتھ دعا کرنا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سے اس حال میں دعا کرو کہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور کھیل میں مشغول دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔'' (جامع الترمذی)

قبولیت کی شرائط

قبولیت دعا کے لیے صرف زبان سے دعا کرنا کافی نہیں بلکہ بعض شرائط اور اسباب کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

i۔ حلال رزق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کرتا ہے، گرد آلود ہے، دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر یارب! یارب! پکارتا ہے، لیکن:

''اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے اور حرام ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہے، تو اس کی دعا کیسے قبول کی جائے؟'' (صحیح مسلم)

ii۔ گناہوں اور قطع رحمی سے اجتناب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بندے کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔'' (صحیح مسلم)

iii۔ جلد بازی نہ کرنا

اسی حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے ہر شخص کی دعا قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ جلد بازی نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی مگر قبول نہیں ہوئی۔'' (صحیح مسلم)

دعا مومن کا سب سے مضبوط سہارا، سب سے مؤثر ہتھیار اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے تعلق کا سب سے قوی ذریعہ ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جو بندے کے دل میں توحید، عاجزی، امید، خوف، محبت اور توکل پیدا کرتی ہے۔ دعا انسان کو اس حقیقت کا شعور دیتی ہے کہ تمام اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے در سے ہر خیر حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط رکھے۔

دعا کو اپنی زندگی کا معمول بنائے، اس کے آداب کا اہتمام کرے، حلال رزق کمائے، گناہوں سے بچے اور دعا کی قبولیت میں تاخیر سے مایوس نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے وہی فیصلہ فرماتا ہے جو ان کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص، یقین، خشوع اور آداب کے ساتھ دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے اور ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

اسلام بطور مذہب اور دین

ابو موسیٰ

کرۂ ارض جسے ہم دنیا کہتے ہیں اس میں پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام صرف پہلے انسان ہی نہ تھے بلکہ پہلے پیغمبر بھی تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانیت کا آغاز ہی مذہبی بنیادوں پر کیا۔ مزید یہ کہ صورت حال کو مکمل طور پر واضح کرنے کے لیے دنیا میں اپنے نمائندے یعنی انبیاء اور رُسل کو بھیجا اور زبور، تورات، انجیل اور قرآن پاک جیسی مقدس کتب اُن پر نازل کی گئیں تاکہ انسان اُن پر ایمان لائیں اور اپنی زندگی کو ان مقدس ہستیوں کی شریعت کے تابع کریں۔ انسانوں کی عظیم اکثریت نے اسے کم از کم نظری طور پر اور عقیدہ کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے انکار کو منکر اور گناہ مانا۔ لیکن ایک اچھی خاصی تعداد میں انسانوں نے اللہ اُس کے نمائندوں اور اُس کی نازل کردہ کتب کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جنہیں ہم ملحد کہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے تو انبیاء و رُسل پر ایمان، معجزات، یوم حشر اور جزا و سزا کو کیوں تسلیم کریں گے۔ اُن کا معاملہ فی الحال ملتوی کر دیں درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھائی جا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نہیں دکھایا جا سکتا اور نہ ہی وہ بر سرِ زمین یہ نشانیاں دیکھنے کو تیار ہیں اور نہ خود میں جھانکنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی یہ نشانیاں نہ صرف زمین و آسمان میں آشکار ہیں بلکہ خود انسان کے اندر بھی موجود ہیں۔

ملحدین کا عجیب معاملہ یہ ہے کہ وہ اللہ کو تو نہیں مانتے البتہ نیچر کو تسلیم کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ نیچر جس کا اردو ترجمہ فطرت کیا جا سکتا ہے، وہ کہاں سے ٹپک پڑے گی۔ بعض ملحدین نے اس بحث میں کارزار ہو کر یہ موقف بھی اختیار کیا کہ کوئی انتہائی intelligent قوت ہے جو اس دنیا کے بیلنس کو قائم رکھے ہوئے مثلاً آبادی اور خوراک کا بیلنس اُن کے مطابق جب یہ بیلنس بگڑ جاتا ہے خاص طور پر یوں کہ آبادی زیادہ ہو جاتی ہے اور خوراک کم پڑ جاتی ہے تو دنیا میں ایسا حادثہ یا حادثے وقوع پذیر ہوتے ہیں جس سے بیلنس پھر قائم ہو جاتا ہے۔ یہ دلیل ایک ایسے ہی گروہ نے بڑے پُرزور انداز میں دی ہے لیکن راقم کے نزدیک یہ دلیل بڑی بودی ہے۔ یہ کہنا کہ کروڑوں سال پہلے ایک دھماکہ ہوا تھا جس کے نتیجہ میں یہ دنیا وجود میں آگئی اس پر راقم کو وہ پرانی کہانی یاد آتی ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ کے دربار میں ایک ملحد نے چیلنج کیا کہ کوئی میرے ساتھ خدا کے وجود کے حوالے سے بحث کرے۔ میں ثابت کروں گا کہ خدا نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے ایک عالم دین کو بلا بھیجا۔ عالم دین کافی وقت گزرنے کے باوجود نہ آیا تو ملحد کہنے لگا کہ آپ کا عالم بھاگ گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کچھ وقت گزرا تو عالم دین دربار میں پہنچ گیا بادشاہ نے اتنی دیر کر دینے کی وجہ پوچھی تو عالم دین بولا میرا گھر ندی کے اس پار ہے۔ میں جب ندی کنارے آیا تو کشتی دستیاب نہیں تھی۔ میں پریشان ہو گیا پھر ہوا یوں کہ لکڑی کے چند تختے جو پانی میں بہتے آ رہے تھے خود بخود جڑ گئے کشتی وجود میں آگئی تو میں اس کشتی میں سوار ہو کر ندی کے اس پار پہنچ گیا۔ ملحد قہقہہ لگا کر کہنے لگا کہ کتنا جھوٹا ہے آپ کا یہ عالم دین یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لکڑی کے تختے خود بخود جڑ جائیں اور کشتی بن جائے تب وہ عالم دین گرجا اور بولا تو یہ کیسے ہوتا ہے کہ اتنی بڑی دنیا خود بخود یعنی اپنے آپ وجود میں آ جائے جبکہ کوئی بنانے والا نہ ہو۔

بہرحال آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ تین مذاہب ایسے ہیں جنہیں آسمانی مذاہب کہا جا سکتا ہے، یہودیت، عیسائیت اور اسلام۔ یہودی اپنا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جوڑتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تک آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائی خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار کہتے ہیں اور انہیں آخری رسول مانتے ہیں۔ البتہ جلد ہی عیسائیوں میں تثلیث کا مسئلہ کھڑا ہو گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ ایک خاندان بنا کر الوہیت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جبکہ مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے رسول تو تسلیم کرتے ہیں لیکن حضور ﷺ کو آخری نبی اور رسول مانتے ہیں اور ختم نبوت کو اسلام کا جزو لاینفک قرار دیتے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد نبوت پر دعوے دار کو کاذب اور جعلساز قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی دور میں اپنے وقت کے نبی یا رسول ﷺ پر ایمان نہ لانا کفر ٹھہرا۔ ہمارے عقیدے کے مطابق جس شخص کے سامنے آخری نبی اور رسول یعنی حضرت محمد ﷺ کی دعوت آئی اور اُس نے اُس کا انکار کیا وہ کافر ہے اگرچہ یہ اختلاف اپنی جگہ ہے کہ اُسے کافر نہیں غیر مسلم کہنا چاہیے لیکن راقم کا مقصد صرف یہ تھا کہ بہرحال انہیں ملحدین سے الگ کرنا ہوگا، وہ اللہ کو کسی نہ کسی انداز میں مانتے ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ تینوں آسمانی مذاہب سے منسلک یہودی، عیسائی اور مسلمان کبھی مکمل طور پر ہم آہنگی اور باہمی اتفاق پیدا نہ کر سکے کسی زمانے میں یہودیوں اور عیسائیوں کی دشمنی بدترین سطح پر تھی۔ آج یہودیوں اور عیسائیوں میں گٹھ جوڑ نظر آتا ہے اور وہ مل کر مسلمانوں کے بدترین دشمن بنے ہوئے ہیں مسلمان بڑے پُرزور اور جوشیلے انداز میں دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کی کتاب قرآن پاک واحد الہامی کتاب ہے جس کے متن کی قیامت تک تحفظ کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے جبکہ بقایا آسمانی کتابوں یعنی تورات اور انجیل میں وقت کے ساتھ ردوبدل ہو چکا ہے۔ یہودی اور عیسائی ماضی، حال اور مستقبل میں کیا کرتے رہے ہیں اور کیا کریں گے یہ وہ جانیں اور اللہ جانے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے علم کامل کی بنیاد پر اور قادرِ مطلق ہونے کی حیثیت سے بہترین فیصلہ فرمائے گا۔ راقم اب صرف اسلام اور مسلمانوں کو موضوعِ بحث بنائے گا۔ اگرچہ یہ وہ باتیں ہیں جو عام مسلمان بھی جانتا ہے لیکن ان باتوں کو دہرانا قرآنی اسلوب اختیار کرنا ہے تاکہ اذہان و قلوب میں اچھی طرح رچ بس جائیں۔

مذہب اسلام کی عمارت ارکانِ خمسہ پر کھڑی ہے۔ (1) کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت (2) نماز (3) روزہ (4) زکوٰۃ (5) حج۔ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کا مطلب ہے کہ پہلا رکن خود بخود ادا ہو گیا۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ بقایا تمام ارکان کی فرضیت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات وحی کے ذریعے زمین پر رسول اللہ ﷺ کو پہنچائے لیکن نماز کی فرضیت کے لیے اپنے محبوب رسول اکرم ﷺ کو آسمانوں پر بلایا اور نماز بطور آسمانی تحفہ آپ ﷺ کو دی گئی جسے ہم واقعہ معراج کہتے ہیں۔ نماز ہر مسلمان پر فرض عین ہے ماسوائے پاگل

اور بے ہوش کے۔ ظاہر ہے انھیں اپنی ذات کا ادراک نہیں تو وہ نماز کیسے ادا کریں گے۔ نماز سے پہلے سنت طریقے سے وضو ہوگا۔ پانی کے ناپید ہونے یا طبی وجوہات کی بنا پر تیمم کیا جا سکتا ہے، جس میں مٹی استعمال کی جاتی ہے۔ نماز کے حوالے سے کسی قسم کی دوسری مصروفیت قابل قبول نہیں۔ قرآن پاک مسلمانوں کو جنگ کے دوران نماز پڑھنے کا طریقہ سکھاتا ہے تو گویا جان کا خطرہ مول لے کر بھی نماز پڑھنا ہوگی۔ اگر نماز جنگ میں نہیں چھوڑی جا سکتی تو گویا کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑی جا سکتی۔ نماز مسجد میں باجماعت ادا کرنا ہوگی البتہ موجودہ حالات میں خواتین کے لیے مسجد میں نماز پنج وقت اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ بہرحال انھیں جمعہ اور عیدین کی نمازیں مسجد میں پڑھنا چاہیے۔ نماز کی ادائیگی کا طریقہ کیونکہ عام مسلمانوں کو معلوم ہے۔ اس کی تفصیل ضروری نہیں۔ بامر مجبوری بیٹھ کر یا لیٹ کر بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اوقات کے حوالے سے آغاز یا وقت کے اختتام سے پہلے پہلے پڑھی جانی چاہیے۔ نماز خالصتاً بدنی عبادت ہے۔ اس کا کسی قسم کے مالی معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ نماز کے دوران پوری کوشش ہونا چاہیے کہ تمام دنیوی حالات سے الگ ہو کر خضوع و خشوع سے ادا کی جائے۔ نماز کے دوران بہت سے اچھے برے خیالات وارد ہوتے ہیں شعوری کوشش ہونا چاہیے کہ جس حد تک ممکن ہو ان سے بچا جائے۔ نماز صرف بندہ اور اللہ کا معاملہ ہے، جان بوجھ کر کسی قسم کی نوعیت کی مداخلت شرک تک پہنچا دیتی ہے۔

اسلام کا تیسرا رکن روزہ ہے وہ خالصتاً بدنی عبادت ہے اگرچہ سحر و افطار میں کچھ نہ کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے لیکن وہ تو بصورت دیگر یعنی روزہ نہ ہونے کی صورت میں انسان کی ضروریات میں شامل ہوتا ہے۔ روزہ کی بڑی خاص اہمیت ہے۔ روزہ داروں کے جنت میں داخل ہونے کے لیے خاص دروازہ ہے جسے باب الریان کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نیکی کا اجر بتایا ہے جو سات سو گنا تک ہے لیکن روزہ کے بارے میں فرمان الٰہی ہے کہ یہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا یعنی اس کی جزا کا کوئی حساب کتاب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو روزہ دار کے منہ کی بو بہت پسند ہے۔ روزہ رکھانے اور افطار کرانے کا بہت ثواب ہے۔ رمضان کے روزے تو ہر مسلمان کے لیے فرض ہے۔ نفلی روزے بھی ثواب رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ ہر سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں ایام بیض یعنی ہر اسلامی (قمری) مہینے کی 13، 14 اور 15 تاریخوں کے روزے بھی بڑے اہم ہیں۔ ذوالحج کی پہلی سے نو تاریخ تک کے روزے بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح 9، 10 یا 10، 11 محرم کے روزوں کا اپنا ثواب ہے۔

اسلام کا چوتھا رکن زکوٰۃ خالصتاً مالی عبادت ہے۔ ریاست یہ اموال ظاہرہ پر سے عوام سے وصول کرے گی۔ پانچواں رکن حج بیت اللہ کی عبادت ہے۔ حج بڑی جامع عبادت ہے انگریزی کا لفظ comprehensive زیادہ بہتر ترجمانی کرتا ہے۔ اس عبادت میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور جان بھی لگانا پڑتی ہے۔ لیکن ایک بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ سب کچھ مذہب اسلام کہلائے گا۔ یعنی فرد کے عقائد، عبادات اور رسومات۔ لیکن جب ہم اسلام کا بطور دین ذکر کریں گے تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہم اس میں اجتماعیت کا اضافہ کر رہے ہیں۔ گویا جو کچھ مذہب کے حوالے سے فرائض ہیں وہ تو اس کا لازمی حصہ ہوں گے لیکن دین اسلام سیاسی، معاشی اور معاشرتی معاملات کا احاطہ بھی کرے گا۔ یعنی ایک مسلمان ریاست میں سیاسی نظام کیسا ہوگا اور سیاست کس طرح ہوگی۔ اسی طرح معاشی نظام کن بنیادوں پر استوار ہوگا اور سماجی نظام کیسا ہوگا۔ جہاں تک سیاسی معاملات کا تعلق ہے اسلام ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے یعنی امرھم شوریٰ بینھم گویا مسلمان ریاست میں تمام معاملات مشاورت سے طے پائیں گے۔ اگرچہ خلیفہ وقت کو مکمل اختیارات حاصل ہوں گے لیکن شریعت کو بالادستی حاصل ہوگی، کسی کو بھی کسی انداز میں شرعی حدود پھلانگنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ قرآن و حدیث کی کسوٹی پر تمام معاملات کو پرکھا جائے گا اور یہی تمام فیصلوں کی بنیاد ہوں گے۔

جہاں تک اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا تعلق ہے اس میں سود کی بیخ کنی کی جائے گی۔ دین اسلام نہ صرف سود لینے دینے والے، بلکہ اس کو تحریر کرنے والے کو بھی مجرم قرار دیتا ہے۔ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی میں یہ بات بھی بڑی اہم ہوگی کہ ارتکاز دولت کی کسی صورت اجازت نہیں دی جائے گی۔ آج اگر ہم اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ارتکاز دولت نے معاشرے کو بری طرح تباہ کر دیا ہے۔ اسلامی ریاست کا حق ہے کہ اگر وہ ضروری سمجھے تو زکوٰۃ کے علاوہ بھی ٹیکس لگا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا تصور تو یہ ہے کہ اپنی ضروریات کے بعد جو کچھ بچ جائے اسے اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت کے لیے خرچ کرے۔ معاشرے میں مالی اونچ نیچ بہت برائیوں کی جڑ ہے۔ اکثر مسلمان دانشور کیمونزم اور سوشل ازم پر شدید تنقید کرتے ہیں۔ اور اسے غیر اسلامی قرار دیتے ہیں جو کافی حد تک درست ہے۔ لیکن راقم کی رائے میں سرمایہ دارانہ نظام نے جو انسانیت کو نقصان پہنچایا ہے اس کی تلافی بہت مشکل ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے یہ تصور دیا ہے کہ اپنے جانور کو کھلاؤ پلاؤ تاکہ تمہاری گاڑی کھینچ سکے لیکن اس کو بھی اس قابل نہ ہونے دو کہ وہ بنیادی ضروریات سے آگے سوچ سکے۔ گویا کچھ لوگوں کے لیے باقی تمام دنیا ایک ایسے بیل کی حیثیت رکھتی ہو جو سرمایہ داروں کی کھیتی سینچنے میں مصروف ہو۔

جہاں تک اسلام کے سماجی نظام کا تعلق ہے قرآن پاک نے اس پر بڑی طویل بحث کی ہے جس کا ظاہر ہے کسی جریدے کی اشاعت میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں سماجی نظام نے معاشرے کو صحیح، مستحکم اور پاکیزہ بنیاد فراہم کرنے کی راہ ہموار کی ہے اور اس میں ایک خاندان، ایک معاشرے کے ان معاملات کو موضوع بحث بنایا ہے جس سے ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔ اس میں عورت کے لیے پردے کا حکم ہے۔ مرد کو غض بصر کا حکم ہے۔ وراثت کی تقسیم پر طویل اور تفصیلی بحث کی ہے تاکہ ایک مسلمان خاندان مضبوط اور مستحکم ہو کر ابھرے اور ایک پاکیزہ معاشرے کے قیام کے لیے اہم رول ادا کر سکے۔ عجب بات یہ ہے کہ غیر اسلامی دنیا نے سماجی معاملات کو غیر اہم قرار دے کر ریاستی معاملات سے بالکل الگ تھلگ رکھا جس کے وہ نتائج بھگت رہے ہیں۔ خاندان توڑ پھوڑ کا شکار ہیں۔ ازدواجی زندگی تباہ ہو چکی ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ مغرب کا معاشرہ انسانی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر آ گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان ان کی صنعت و حرفت کی ترقی سے اتنا مرعوب ہو گئے ہیں کہ وہ بھی ان کی پیروی کر رہے ہیں اور اس نقصان میں حصہ دار بن رہے ہیں۔ لیکن آخری اور حتمی بات یہ ہے کہ کوئی نظام کاغذات اور دستاویزات میں کتنا ہی اچھا اور مفید کیوں نہ ہو جب تک اس کو نافذ نہ کیا جائے گا، وہ نتائج نہیں دے سکتا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ڈاکٹر کے نسخہ پر عمل نہیں ہوا تو گویا شفا کے لیے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ لہٰذا جب تک مسلمان ریاست میں اسلام بحیثیت نظام نافذ نہیں ہوگا کسی بہتری کی قطعی طور پر امید نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کے نفاذ کے لیے جان و مال کھپانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

ڈراس کی دیر گیری ہے......

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

ملکی اور بین الاقوامی سطح پر حالات کا اُتار چڑھاؤ، ’رولر کوسٹر‘ (برق رفتار جھولا) اثرات کا حامل ہے۔ ہر ذی شعور حساس طبیعت کو زیر وزبر کر ڈالنے والا۔ سماجی، معاشرتی، انتظامی، سیاسی، قیادت، عوام، ہر دائرے میں سبھی کچھ اختلال (بدنظمی، خلل، ابتری) کا شکار ہے۔ دنیا ایسی ٹیڑھی چال چل رہی ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی کا ’ٹرمپی محاورہ‘ صادق آتا ہے اس پر۔ وجہ بھی شاید انسانوں کا ایسی قیادت پر نہ صرف رضامند ہوجانا بلکہ بائیڈن (جو شدید نسیان کا شکار تھا) کا وقفہ لے کر گلوبل کرسیٔ قیادت پھر ٹرمپ کے حوالے کردی گئی! یہ ہرگز روایتی امریکی صدر کی مانند نہیں ہیں۔

2001ء سے بین الاقوامی سطح پر منصوبہ بندی کے تحت جو جنگیں شروع کی گئیں، انہیں آگے چل کر ملحمۃ الکبریٰ (احادیث کی اصطلاح)، یا آرمیگیڈون کی صورت اختیار کرنا ہے۔ (انجیل: نیا عہد نامہ میں عبرانی ’ہرمجدو‘ سے اخذ کردہ، ہرمجدون) عرفِ عام میں اسلام، عیسائی، یہودی روایات میں ہونے والی بہت بڑی جنگ۔ ان جنگوں کا تقاضا گلوبل مقتدرین، فیصلہ سازوں کے ہاں یہ ہے کہ یہ معقولیت، دانشورانہ، اصول وضوابط کی پاسداری سے نہیں لڑی جاسکتیں۔ یعنی محبت اور جنگ میں سب جائز ہے‘، انہی کا مقولہ ہے۔ سو دیکھیے کہ وہ جارج بش تھا جس نے، اکیسویں صدی کی پہلی گلوبل جنگ 51 ممالک کے ساتھ مل کر مکمل بے سروسامان افغانستان کے خلاف لڑی۔ شراب نوشی کا شدید مریض جو بالآخر ایوینجلسٹ یا (روحانی) ’حیاتِ نو والا‘ کٹر عیسائی بن کر (1985ء) ابھرا۔ پھر 2021ء تک جو کچھ ہوا تاریخ کا حصہ ہے۔ اگلے مراحل میں ٹرمپ (2017ء-2021ء) آیا۔ 2001ء تا 2021ء اندھادھند جنگیں امریکہ اور مغربی عالمی قوتوں کے ذریعے لڑی گئیں۔ جس میں عراق میں پورے اعتماد سے تباہ کن ہتھیاروں کی موجودگی کے جھوٹے پروپیگنڈے پر اسے تہس نہس کرکے ’مطلوبہ مقاصد‘ تک پہنچادیا گیا۔ اس جھوٹ کو بعدازاں ڈٹ کر قبول بھی کیا۔

2017ء تا 2026ء، جو کچھ چلا اس میں اعلیٰ تعلیمی اسناد کا مالک، سیاسی دانائی والا زیرک صاحبِ فراست، دانا سیانا صدر درکار نہ تھا۔ بس ایسا شخص جو تمام بین الاقوامی اصول ضابطوں کو جوتے کی نوک پر رکھ کر امریکی (اصلاً اسرائیلی) مفادات، تسلط وغلبے کی اندھادھند جنگ لڑسکے۔ دنیا میں اپنے مددگار ضرورت کے مطابق اکٹھے کرسکے۔ دیکھ لیجیے کہ ٹرمپ (پہلے جارج بش) نے کئی دہائیوں کے طے شدہ قوانین، عرق ریزی سے مرتب کیے اصول، ضابطے، کنونشنز، انسانی حقوق، عدالت ہائے انصاف جس طرح سوچے سمجھے منصوبے کے تحت غیر موثر کردیئے وہ نہایت غیر معمولی تاریخی اقدامات تھے۔ گوانتاناموبے، ابوغریب، لاپتگیاں، اندھی قتل وغارت گری، اجتماعی قبریں بھری گئیں۔ جو کسر رہ گئی تھی وہ اسرائیل نے غزہ میں ایسی توڑی کہ دنیا ہل کر رہ گئی۔ اس میں طے شدہ پالیسی کے تحت مغربی ممالک میں اہلِ ضمیر کا شدید جذباتی ردِعمل گوارا کیا گیا۔ ان کی پکڑ دھکڑ، سزائیں، جرمانے تو ہوئے مگر نظام اور ظلم چلتا رہا۔ تاآنکہ غزہ تباہ حال کرکے جنگ بندی کا تماشا تو کھڑا کیا مگر اسی دوران اسرائیل نے نہ صرف قتل اور بھوک، قید وبند مسلط، جاری وساری رکھی بلکہ 80 فی صد غزہ پر عملاً قبضہ کرلیا اور مغربی کنارے پر ’آبادکاروں‘ کا وحشیانہ تسلط مضبوط تر کردیا۔

بلاشبہ باضمیر امریکی آج بھی اپنی جنگ جاری رکھے ہیں۔ مثلاً 45 ڈیموکریٹ ارکان کانگریس (47 کے مشاورتی اجلاس میں سے) نے اپنے دستخطوں سے (رائٹرز رپورٹ: 26 اگست) اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کو خط لکھا ہے۔ غرب اردن میں یہودی آبادکاروں کے تشدد کی بڑھتی لہر اور فلسطینیوں کی بڑی تعداد میں گرفتاریوں پر اسرائیلی سیکورٹی فورسز کو لگام دینے کا تقاضا کیا ہے۔ اسی دوران حالیہ ہفتوں میں آبادکاروں نے مساجد پر بھی حملے کیے ہیں۔ نوٹس لینے پر زور دیا ہے۔ اس خط کے مندرجات میں اسرائیلی فورسز کے ظلم کے شواہد دیتے ہوئے غم وغصے کا اظہار نمایاں ہے۔ حکومت اور کانگریس میں ڈیموکریٹس کی بالخصوص مغربی کنارے کے حوالے سے چپقلش بڑھ رہی ہے۔ کئی افراد نے اسرائیل کو امریکی فوجی امداد دینے پر پابندیاں عائد کرنے کو بھی کہا ہے غزہ میں ان کے جنگی اقدامات کے پیشِ نظر تاآنکہ امریکی سفیر برائے اسرائیل مائیک ہکابی کو جنگجو آبادکاروں کو اسرائیلی دہشت گرد کہنا پڑا۔

غزہ پر ٹوٹی قیامت کے زیرِ اثر، امریکی سیاست، عوامی رجحانات میں انقلابی تبدیلیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مسلمانوں کے حوالے سے بھی کافی مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ نیویارک میں ہندوتوا کا پرچارک RSS، انتہاپسند ہندو لیڈر موہن بھگوت کی آمد، امریکی ہندوؤں کی ریلی پر میئر زہران ممدانی نے تحفظات کا برملا اظہار کیا۔ بطور میئر نیویارک ریلی قانوناً روکنے کے مجاز تو نہ تھے مگر چونکہ RSS، جنونی بھارتی حکمران پارٹی، بی جے پی کی جنم بھومی ہے اور بھارتی مسلمانوں کے خلاف مظالم، نفرت آمیز ایجنڈے کے لیے معروف ہے۔ اس لیے اسے نیویارک میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ بھگوت کی تقریر امن وآشتی اور انسانیت دوستی کے حیران کن پیرائے میں اپنی مسلم کش دہشت گردی پر پردہ ڈالتی اسی ماحول اور پس منظر کا نتیجہ تھی۔

اسی دوران نیپال میں گلیشیر کا ہزاروں میٹر کا بہت بڑا بلاک تبت کی طرف سے دریا میں ٹوٹ کر گرنے سے جو قیامت دونوں جگہ آئی، ایک زلزلے اور طوفانِ نوح کی سی کیفیت بنی۔ یہ تودہ اپنے ساتھ چٹانیں، پتھر، درخت توڑتا بلابن کر تبت سے نیچے وادی گھاٹی میں پل، عمارات نگلتا چلا گیا۔ پانی 40 فٹ بلند کیچڑ ملبے کی صورت دیوہیکل سیلاب تھا۔ صرف سیٹلائٹ تصاویر پہلے اور بعد کی رہ گئیں۔ زمینی مواصلات منقطع ہوگئیں۔ ہزاروں لاپتہ ہیں، دونوں اطراف نیپال اور تبت میں۔ ریڈکراس کے مطابق 93 ہزار متاثرین ہیں۔ سینکڑوں غیر ملکی جو رابطے میں نہیں مزید ہیں۔ حادثہ نہایت غیر متوقع اور تصور سے ماوراء، دل ہلا ڈالنے والا ہے۔

یہ اپنی جگہ کہ نیپال میں جولائی، اگست میں ہندوؤں نے بھارتی سرحد سے متصل نیپالی مسلمانوں کے ساتھ کیا، کیا تھا؟ کس طرح مساجد جلا ڈالی گئیں۔ قرآن جابجا جلائے۔ بھارتی RSS والا جنون سرحد کے اس پار سرگرم، نیپال میں بھی وائرس کی طرح پھیلا۔ مارکٹیں، املاک، گاڑیاں، گھر جلائے، عورتیں بچے قتل، فصلیں

جلا ڈالیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ وہ سب جو برما میں مسلمانوں کے ساتھ ہوا، وہی ہمارے ساتھ یہاں کیا گیا۔ گویا یہ جنونی مذہبی دوآتشہ ان کے حصے آیا۔ بھارتی ہندوتوا، اور میانمار کے بدھ۔ مسلم خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ سرخ سیاہ شعلوں اور دھوئیں میں گھری مسجد، خوشی سے نعرہ زن کف آلود ہندو نوجوان۔ 26 اگست کو قرآن جلائے۔ مسجد تباہ کرنے پر روتی عورت: وہ ہمارے گھر جلا دیتے مسجد اور قرآن نہ جلاتے۔ الفاظ میں دبی بے چارگی۔ مسلم کش فسادات اور معاشی قتل عام کے 4 دن بعد نئے گلوکار وزیراعظم نے امن کی اپیل فرمائی! نیپال کی 81 فی صد ہندو اکثریتی ریاست میں 6.5 مسلم اور دیگر اقلیتیں آباد ہیں۔

ذرا اس کی دیدہ گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا!

اور اب کیچڑ میں وحشی مورتی کی تصویر۔ یہ تھے وہ پتھر کے خدا جن کی خاطر تم نے مساجد، قرآن، مسلمان عورت پر ظلم ڈھایا؟ صد ہزار شکر کہ اللہ نے ہمیں ارض وسما کے خالق و مالک کی پہچان دی۔ تاہم اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی، دنیا تک قرآن کا عظیم پیغام پہنچانے سے غفلت، کفر کی چاکری، فلسطین میں اقصیٰ اور مسلمانوں کے کما حقہ تحفظ سے دور اب مسلمانوں کی بے اعتنائی اور سیکولرازم کے نشے میں ڈوبے مسلمان۔ ’جب لوگ منکر امر کو دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو ڈر ہے کہیں اللہ تعالیٰ اپنا عذاب سب پر عام نہ کردیں‘۔ (مسند احمد) جو اُمت پیدا ہی رب تعالیٰ کی پہچان توحید، رسالت، قرآن کی تعلیم عام کرنے اور مقصد زندگی، لاعلم دنیا کو دینے کے لیے تھی، حب دنیا اور کراہیۃ الموت کی اسیر ہوگئی تو ہم ...... خوار ہوئے تارک قرآن ہوکر، کی مجسم تصویر بن گئے۔ پاکستان میں خبروں کی دنیا میں آج نیپال، اور اس سے بہت پہلے برما کے مسلمانوں سے بلیک آؤٹ کم جرم تو نہیں۔ دینی جماعتیں، علماء ہر طرف خاموشی طاری رہی۔ خود ہم اپنے ہاتھوں 14 ننھی نوزائیدہ جلی لاشوں کے بھی مجرم ہیں۔ زندگی کا ارزاں ہونا۔ اداروں میں ہر سطح پر نااہلی، بدعنوانی، عملے کی غیر حاضری، بدانتظامی کا دور دورہ ہے۔ صفائی کا حال ذرا نہ ہی پوچھیں! یہ ہسپتال اگر صدر، وزیراعظم، وزراء، مشیران، ارکان پارلیمنٹ کے علاج پر مامور ہوتا (ان کا غیر ممالک یا پرائیویٹ علاج ممنوع ہوتا) تو آج اتنا بدحالی کا شکار نہ ہوتا کہ جگر کے ٹکڑے راکھ کر دیئے۔ پناہ بخدا!

٭٭٭

شجاع الدین شیخ — **پریس ریلیز 4 ستمبر 2026ء**

یورپی یونین کے انسانی حقوق کے نمائندے کا توہین مذہب کی روک تھام کے قوانین اور سزائے موت کے خاتمے کا مطالبہ انتہائی معنی خیز ہے۔

یورپی یونین کے انسانی حقوق کے نمائندے کا توہین مذہب کی روک تھام کے قوانین اور سزائے موت کے خاتمے کا مطالبہ انتہائی معنی خیز ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ یورپی یونین کے انسانی حقوق کے نمائندے کا پاکستان سے توہین مذہب کی روک تھام کے قوانین کے اطلاق کو روکنے، نام نہاد اظہار رائے کی اجازت دینے اور سزائے موت کے خاتمہ کا مطالبہ کرنا درحقیقت پاکستان میں توہین قرآن، توہین رسالت اور توہین مقدسات کے مرتکبین کو تحفظ دینے اور معاشرتی بے راہ روی کو فروغ دینے کی ایک اور ابلیسی کوشش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی ممالک خود تو ہولوکاسٹ کے خلاف بات کرنے والوں کو قید و جرمانہ کی سزا دیتے ہیں اور امریکہ سمیت بعض مغربی ممالک میں سزائے موت کا قانون موجود ہے، لیکن پاکستان جیسے مسلم ممالک میں مسلمانوں کا رشتہ قرآن، صاحب قرآن ﷺ اور دیگر دینی مقدسات سے (معاذ اللہ) توڑنے اور معاشرتی و خاندانی نظام کو تباہ و برباد کرنے کی مسلسل سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومتِ پاکستان فوری طور پر یورپی یونین کے پاکستان میں سفیر کو طلب کرکے پاکستان کے آئین اور قانون کے خلاف اس بیان اور ملکی معاملات میں کھلی مداخلت پر سرزنش کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی ممالک کو پاکستان پر اس نوعیت کے دجالی دباؤ ڈالنے کی جرأت اس لیے ہوتی ہے کہ ہم بحیثیت قوم تفرقہ کا شکار ہیں اور حکومتی سطح پر سیاسی انتشار و معاشی بدحالی نے ملک کو انتہائی کمزور کر رکھا ہے۔ پھر یہ کہ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک میں سود و کرپشن جیسی لعنتوں کے خاتمہ اور اسلامی نظام کے نفاذ میں مجرمانہ غفلت برتی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل اقتدار غیروں کے سامنے کشکول پھیلانے اور مغرب کی باطل تہذیب و تمدن سے مرعوب ہوکر اُن کے سامنے بچھ جانے کے طرزِ عمل کو چھوڑیں۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے بغاوت کی روش کو ختم کرکے دین اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجائیں اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنائیں۔ جب ہم ایسا کریں گے تو اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی اور پھر یورپی یونین یا امریکہ کو ہرگز جرأت نہ ہوگی کہ پاکستان کو میلی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ امیر تنظیم نے کہا کہ اسی میں ہماری دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی بھی مضمر ہے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

ہفت روزہ ”ندائے خلافت“

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب،
ایک علمی، دعوتی اور تربیتی رسالہ!

صرف آپ ہی کے زیرِ مطالعہ کیوں؟

وقت اور حالات کی اشد ضرورت ہے کہ اسے ایک مشن سمجھ کر واعظین و مربیین، تعلیمی اداروں، لائبریریوں، مکتبہ جات اور ہر گھر و فرد اور خاص طور پر الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر اپنے دوست احباب اور اعزہ و اقربا تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔ ان شاء اللہ!

حکمرانی، سادگی اور اسلامی ریاست کا مزاج

ڈاکٹر ضمیر اختر خان

اسلام آباد کے چیف کمشنر اور آئی جی کا 14 اگست کی تقریب میں شرکت کے لیے بگھی میں بیٹھ کر تشریف لانا پورے ریاستی و معاشرتی کلچر کی عکاسی تھی۔ دو سرکاری اہل کاروں کا بگھی پر آنا اگر معیوب ہے، تو صدر اور وزیر اعظم کا بگھی پر براجمان ہونا کیا ثواب ہے! شاید یہ معاملہ اتنی اہمیت اختیار نہ کرتا اگر ایک ہی دن قبل ناروے کے وزیر خارجہ پاکستان نہ آتے۔ میرے خیال میں ناروے کے وزیر خارجہ Espen Barth Eide کے حالیہ دورۂ پاکستان کے موقع پر اُن کی سادگی نے اس بحث کو ایک غیر معمولی معنویت دے دی ہے۔ اسی پس منظر میں وسیع تر اسلامی، اصلاحی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور نبی ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے اربابِ حل وعقد کے سامنے اسلام کے طرزِ حکمرانی اور اسلامی ریاست یعنی خلافت اسلامیہ کے مزاج کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔ ﴿اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط﴾ (ہود:88) ’’میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں۔‘‘

1۔ ریاستی منصب خدمت کے لیے ہے، شان و شوکت کے اظہار کے لیے نہیں:

اسلام آباد میں 14 اگست کی تقریب کے دوران چیف کمشنر اسلام آباد اور آئی جی کے ایک رسمی بگھی میں سوار ہونے کا واقعہ بظاہر ایک معمولی سا انتظامی معاملہ تھا، مگر عوامی ردِعمل نے اسے ایک بڑے قومی سوال میں تبدیل کر دیا۔ سوال یہ نہیں رہ گیا کہ بگھی میں کون بیٹھا، کس کے کہنے پر بیٹھا اور کس مقصد کے لیے بیٹھا؛ اصل سوال یہ ہے کہ ہماری ریاستی اور سیاسی زندگی میں نمود و نمائش (قرآنی اصطلاح اسراف و تبذیر)، پروٹوکول، مراعات اور حکمران طبقے کی نمائش کی آخر حد کہاں ہے؟

وزیر داخلہ محسن نقوی نے وضاحت کی ہے کہ چیف کمشنر اور آئی جی کی طرف سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اُن کے مطابق چیف گیسٹ اور بعض دیگر شخصیات صدر اور وزیر اعظم سے ملاقات کے باعث تاخیر کا شکار ہو گئیں، جبکہ عوام کافی دیر سے تقریب میں موجود تھے۔ چنانچہ پروگرام کو مزید مؤخر کرنے کے بجائے افسران کو اسے آگے بڑھانے کی ہدایت دی گئی۔ اُن کا یہ بھی کہنا تھا کہ بگھی اصل میں چیف گیسٹ کے لیے رکھی گئی تھی اور افسران ابتدا میں اس میں سوار ہونے سے گریزاں تھے۔

اگر یہ وضاحت درست ہے تو پھر معاملہ محض دو سرکاری افسران کے طرزِ عمل کا نہیں بلکہ اس پورے انتظامی کلچر کا ہے جس میں اس طرح کا غیر ضروری انتظام/اہتمام خود ایک ایسی علامت بن جاتا ہے جو عوام اور حکمران طبقے کے درمیان فاصلے کو نمایاں کر دیتا ہے۔

وزیر اعظم شہباز شریف کی جانب سے دونوں افسران کو خطوط کے ذریعے جو اصولی بات کہی گئی، وہ اپنی جگہ نہایت اہم ہے یعنی سرکاری عہدے عوام کی امانت ہیں اور ان پر فائز افراد کو عاجزی، ضبط، وقار اور بہتر فیصلہ سازی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اس اصول سے اختلاف کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ لیکن اصل امتحان یہ ہے کہ کیا یہ اصول صرف چیف کمشنر اور آئی جی کے لیے ہے یا سب کے لیے؟ اگر بگھی میں بیٹھنا اس لیے نامناسب ہے کہ اس سے نمود و نمائش، مراعات اور شان و شوکت کا تاثر پیدا ہوتا ہے تو پھر یہی اصول کسی وزیر، مشیر، سیاسی رہنما، حکمران، اپوزیشن لیڈر یا کسی دوسرے بااثر شخص کے لیے بھی یکساں ہونا چاہیے۔ ریاستی منصب جس قدر بلند ہو، اس کے حامل شخص کی ذمہ داری اتنی ہی زیادہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو منصب سے بڑا نہ بننے دے۔

2۔ اصل مسئلہ بگھی نہیں، حکمرانی کا مزاج ہے:

ہمیں اس واقعے کو افراد کے خلاف مقدمہ بنانے کے بجائے اپنے اجتماعی مزاج کا آئینہ سمجھنا چاہیے۔ ہماری سیاست اور بیوروکریسی میں ایک عجیب تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ جب کوئی سہولت ہمیں حاصل ہو تو وہ ’’پروٹوکول‘‘، ’’روایت‘‘، ’’سکیورٹی‘‘ اور ’’سرکاری ضرورت‘‘ بن جاتی ہے، اور جب وہی چیز کسی دوسرے کو حاصل ہو تو ہمیں ’’وی آئی پی کلچر‘‘ اور "Pomp and Show" دکھائی دینے لگتا ہے۔ یہ دوہرا معیار ختم ہونا چاہیے۔ اگر سادگی اچھی چیز ہے تو سب کے لیے اچھی ہے۔ اگر عوامی عہدہ امانت ہے تو ہر صاحبِ منصب کے لیے امانت ہے۔ اگر نمود و نمائش نامناسب ہے تو حکمران کے لیے بھی نامناسب ہے اور افسر کے لیے بھی۔ اگر عوام سے قربت مطلوب ہے تو وہ صرف تقریروں سے نہیں بلکہ طرزِ زندگی سے ظاہر ہونی چاہیے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں ہمیں اپنے آئین، اپنی قومی روایت اور بالخصوص اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

3۔ اسلام میں اقتدار عزت نہیں، امانت ہے:

قرآن مجید نے حکمرانی اور اختیار کے بارے میں بنیادی اصول واضح کر دیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط﴾ (النساء:58)

’’بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔‘‘

غور کیجیے! قرآن نے اقتدار کو سب سے پہلے امانت قرار دیا ہے، اعزاز نہیں۔ آج کا مسئلہ یہی ہے کہ ہم منصب کو امانت سے زیادہ عزت، طاقت، پروٹوکول اور مراعات کا ذریعہ سمجھنے لگے ہیں۔ اسلامی تصورِ حکمرانی میں حاکم اور افسر عوام سے اوپر کوئی مخلوق نہیں۔ وہ بھی اللہ کا بندہ ہے اور اس کے سامنے جواب دہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ)) (متفق علیہ)

’’تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔‘‘

یہ حدیث صرف حکمرانوں کے لیے نہیں؛ ہر ذمہ دار شخص کے لیے ہے۔ صدر، وزیر اعظم، وزیر، جرنیل، جج، بیوروکریٹ، پولیس افسر، استاد، تاجر، صنعت کار، والدین مربی، علماء، مشائخ، عوام ہر شخص اپنے دائرے میں ذمہ دار ہے۔

4۔ ہمارے لیے اصل نمونہ رسول اللہ ﷺ ہیں:

اسلامی تہذیب کا کمال یہ ہے کہ اس نے اقتدار کو انسان کے لیے تکبر کا ذریعہ نہیں بننے دیا۔ رسول اللہ ﷺ

پوری اُمت کے قائد تھے۔ آپ ﷺ ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ ﷺ سپہ سالار تھے۔ آپ ﷺ قاضی تھے۔ آپ ﷺ کے پاس وفود آتے تھے۔ بادشاہوں کے خطوط آتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی زندگی میں شاہانہ تصنع اور شخصی جاہ و جلال نہیں تھا۔ آپ ﷺ لوگوں میں اس طرح بیٹھتے کہ باہر سے آنے والا شخص کبھی کبھی پوچھ لیتا کہ "تم میں محمدؐ کون ہیں؟" یہ محض سادگی نہیں تھی؛ یہ اسلامی حکمرانی کا شعوری تصور تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اقتدار کو اپنے لیے آسائش نہیں بلکہ اُمت کی خدمت اور اللہ کے سامنے جواب دہی سمجھا۔ اسی لیے اسلامی ریاست میں حکمران کی عظمت اس کے قافلے کی طوالت سے نہیں، اس کے عدل کی گہرائی سے ناپی جاتی ہے۔

5۔ خلفائے راشدین: اقتدار کی سادگی کا عملی نمونہ

رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے اسی طرزِ حکمرانی کو آگے بڑھایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت سنبھالتے ہیں تو اُن کا طرزِ احساس یہ نہیں کہ اب میں ایک عظیم منصب پر پہنچ گیا ہوں، بلکہ یہ کہ میرے کندھوں پر ایک عظیم ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی تو اسلامی حکمرانی میں سادگی، احتساب اور عوامی جواب دہی کی سب سے روشن مثالوں میں شمار ہوتی ہے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ رات کو مدینہ کی گلیوں میں گشت کرتے اور رعایا کے حالات خود معلوم کرتے تھے۔ یہی وہ تصور تھا جس میں خلیفہ کے لیے سب سے بڑا اعزاز یہ نہیں تھا کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں، بلکہ یہ تھا کہ کوئی مظلوم اس تک پہنچ سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب وہ معروف جملہ اسلامی سیاسی اخلاق کا پورا فلسفہ بیان کرتا ہے:

"اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ عمرؓ سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" خواہ اس روایت کی سند پر اہلِ علم نے گفتگو کی ہو، اس میں موجود تصورِ اسلامی حکمرانی کی روح سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اقتدار جتنا بڑا ہوگا، جواب دہی اتنی ہی بڑی ہوگی۔

ناروے کے وزیر خارجہ نے ہمیں کیا آئینہ دکھایا؟

اور اب ذرا اسی 14 اگست کے ماحول میں ایک دلچسپ اتفاق دیکھیے۔ ناروے کے وزیر خارجہ Espen Barth Eide 13 اور 14 اگست کو پاکستان کے دورے پر آئے۔ یہ تقریباً ایک دہائی بعد کسی نارویجین وزیر خارجہ کا پہلا دورۂ پاکستان تھا۔ اس دورے کے دوران انہوں نے وزیر اعظم شہباز شریف سے ملاقات کی، پاکستانی حکام سے مذاکرات کیے اور علاقائی و عالمی امور پر تبادلہ خیال کیا۔ مگر پاکستانی عوام کی توجہ صرف سفارتی مذاکرات پر نہیں گئی۔ ان کی پاکستان آمد کی جو تصاویر اور ویڈیوز سوشل میڈیا پر گردش کرتی رہیں، ان میں وہ ایک عام کمرشل پرواز سے اترتے ہوئے اور اپنا سفری بیگ خود کھینچتے دکھائی دیے۔ اس منظر نے پاکستانی معاشرے میں VIP کلچر کے بارے میں ایک نئی بحث چھیڑ دی۔ یہاں ہمیں ٹھہر کر سوچنا چاہیے۔ ایک طرف ایک غیر مسلم ملک کا وزیر خارجہ ہے، جو اپنے ملک کی حکومت میں ایک انتہائی اہم منصب رکھتا ہے؛ دوسری طرف ہمارا اسلامی معاشرہ ہے جس کی سب سے بڑی شخصیات نے ہمیں سادگی، تواضع، عدل اور خدمت کا درس دیا۔ تو پھر ہمیں کس سے سبق لینا چاہیے؟ یہ سوال ناروے کے وزیر خارجہ کی تعریف یا اپنے ملک کی تحقیر کے لیے نہیں۔ یہ سوال اپنے گریبان میں جھانکنے کے لیے ہے۔ اگر ایک جدید مغربی ریاست کا اعلیٰ عہدیدار سادگی کے ساتھ سفر کر سکتا ہے تو ہمارے اسلامی معاشرے میں یہ سادگی اور بھی زیادہ قابلِ فخر ہونی چاہیے، کیونکہ اس کے پیچھے محض جدید انتظامی کلچر نہیں بلکہ ہماری اپنی دینی روایت موجود ہے۔

6۔ فوج، بیوروکریسی اور سیاست: سب کے لیے ایک معیار

یہ اصلاح صرف سیاست دانوں سے نہیں مانگی جانی چاہیے۔ ہمیں ایک ہی اصول پورے ریاستی نظام پر نافذ کرنا ہوگا۔ فوج ہو یا بیوروکریسی، سیاست ہو یا عدلیہ، حکومت ہو یا اپوزیشن عہدہ بڑا ہو سکتا ہے، انسان نہیں۔ ریاستی ذمہ داری کسی شخص کو عوام سے کاٹنے کے لیے نہیں بلکہ عوام کی خدمت کے لیے ملتی ہے۔ سکیورٹی کی حقیقی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے۔ بعض اعلیٰ عہدیداروں کے لیے حفاظتی انتظامات ناگزیر بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن سکیورٹی اور شاہانہ پروٹوکول میں فرق ہونا چاہیے۔ جہاں حقیقی خطرہ ہو وہاں حفاظتی انتظام ضرور ہو۔ لیکن جہاں صرف رواج، دکھاوا، عادت یا منصب کی نمائش ہو، وہاں سوال ضرور اُٹھنا چاہیے: یہ سہولت عوام کے پیسے سے کیوں؟ یہ فاصلے کس لیے؟ یہ نمائش کس مقصد کے لیے؟ اور سب سے بڑھ کر: کیا یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہے؟

7۔ عوام کو بھی اپنا طرزِ زندگی بدلنا ہوگا:

لیکن اصلاح صرف حکمرانوں سے مانگنا بھی کافی نہیں۔ ہم سب کو اپنے رویوں پر نظر ڈالنی ہوگی۔ اسلام صرف حکمرانوں کو سادگی کا حکم نہیں دیتا؛ وہ پورے معاشرے کو اعتدال اور تواضع کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ (بنی اسرائیل: 37)

''اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔''

اور: ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ (بنی اسرائیل: 26، 27)

''اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔''

آج اگر ایک وزیر شاہانہ گاڑی استعمال کرتا ہے تو سوال اُٹھتا ہے؛ لیکن اگر ایک عام آدمی اپنی استطاعت سے بڑھ کر شادی بیاہ، لباس، جہیز، دعوت اور دیگر معاملات میں نمود و نمائش کرتا ہے تو ہم اسے ''معاشرتی روایت'' کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ بھی درست نہیں۔ اسلامی سادگی صرف ایوانِ اقتدار سے شروع نہیں ہوگی؛ گھر سے شروع ہوگی۔

ہمیں اپنی شادیوں میں سادگی چاہیے۔ اپنی تقریبات میں سادگی چاہیے۔ اپنے لباس میں وقار چاہیے۔ اپنی گاڑیوں اور گھروں میں نمود سے بچنا چاہیے۔ اپنے بچوں کو یہ سکھانا چاہیے کہ عزت مہنگے لباس، بڑی گاڑی، وسیع گھر یا طاقتور تعلقات سے نہیں بلکہ کردار، علم، تقویٰ اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔

ہمیں ''VIP پاکستان'' نہیں ''خادم پاکستان'' چاہیے:

ہمارا اصل مسئلہ گاڑی نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ تصور ہے کہ جس کے پاس منصب ہے وہ عام آدمی سے الگ ہے۔ ہمیں اس ذہنیت کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں VIP culture سے service culture کی طرف جانا ہوگا۔ ہمیں ایسے حکمران چاہئیں جو عوام کے درمیان بیٹھنے میں عار محسوس نہ کریں۔ ایسے افسر چاہئیں جن کے دفاتر کے دروازے عام شہری کے لیے بند نہ ہوں۔ ایسے سیاست دان چاہئیں جو انتخاب کے وقت ہی نہیں بلکہ اقتدار کے دوران بھی عوام کو اپنا مالک سمجھیں۔ ایسے فوجی و سول افسر چاہئیں جو اپنے منصب کو عزت کا ذریعہ نہیں بلکہ ذمہ داری کا بوجھ سمجھیں۔ اور ایسے شہری چاہئیں جو اپنے حکمرانوں سے بھی وہی معیار مانگیں جو اسلام نے ان کے لیے مقرر کیا ہے۔

8۔ بگھی میں بچے کو بٹھانے کا خیال:

اس پورے واقعے میں ایک جملہ شاید سب سے زیادہ معنی خیز ہے: اگر میں وہاں سرکاری افسر ہوتا تو بگھی میں بیٹھنے کے بجائے کسی بزرگ یا بچے کو اس میں بٹھا دیتا۔ یہی دراصل اس واقعے کو ایک خوبصورت قومی پیغام میں تبدیل کرنے کا راستہ تھا۔ 14 اگست پاکستان کا جشن ہے۔ اگر ایک بگھی واقعی موجود تھی تو اس میں ایک بزرگ شہری کو بٹھایا جاتا۔ کسی محنت کش کو بٹھایا جاتا۔ کسی شہید کے بچے کو بٹھایا جاتا۔ کسی معذور پاکستانی کو بٹھایا جاتا۔ کسی ایسے بچے کو بٹھایا جاتا جس کے لیے وہ منظر زندگی بھر کی یاد بن جاتا۔ تب وہ بگھی حکمران کی شان کی علامت نہیں بلکہ عوام کی عزت کی علامت بن سکتی تھی۔

9۔ ہمیں اپنی ریاست کے چہرے کو بدلنا ہوگا:

آج پاکستان کو صرف معاشی اصلاحات، سیاسی استحکام اور انتظامی تبدیلیوں کی ضرورت نہیں۔ سب سے زیادہ اسے اخلاقی انقلاب کی بھی ضرورت ہے۔ ایسا انقلاب جو ہمیں یاد دلائے کہ ریاستی عہدہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔ ایسا انقلاب جو حکمران کو یاد دلائے کہ کل اسے اسی عوام کے درمیان واپس جانا ہے۔ ایسا انقلاب جو بیوروکریٹ کو یاد دلائے کہ فائل کے دوسری طرف ایک انسان ہے۔ ایسا انقلاب جو سپاہی کو یاد دلائے کہ اس کا منصب قوم کی حفاظت کے لیے ہے، مراعات کے لیے نہیں۔ ایسا انقلاب جو سیاست دان کو یاد دلائے کہ ووٹ لینے والا دراصل عوام کا خادم ہے، مالک نہیں۔ اور ایسا انقلاب جو عام شہری کو بھی یاد دلائے کہ اسلامی معاشرہ صرف حکمرانوں کے بدلنے سے نہیں بنتا؛ انسانوں کے بدلنے سے بنتا ہے۔

10۔ وزیراعظم کے لیے بھی ایک اصولی گزارش:

وزیراعظم کا یہ کہنا کہ سرکاری عہدے عوام کی امانت ہیں، قابلِ تحسین ہے۔ مگر اس اصول کو ایک قدم آگے لے جانے کی ضرورت ہے۔ اگر حکومت واقعی سادگی اور عوامی خدمت کو قومی پالیسی بنانا چاہتی ہے تو ایک جامع سادگی اور کفایت شعاری ضابطۂ اخلاق نافذ کیا جائے۔ اس میں سرکاری تقریبات، سرکاری گاڑیوں، قافلوں، پروٹوکول، سرکاری رہائش گاہوں، بیرونِ ملک دوروں، وفود، سرکاری ضیافتوں اور غیر ضروری نمائشی انتظامات کے واضح اصول مقرر کیے جائیں۔ اور سب سے اہم بات: یہ اصول حکومت کے ہر فرد پر یکساں لاگو ہوں۔ ورنہ عوام یہی سمجھیں گے کہ بگھی صرف اس وقت مسئلہ بنتی ہے جب اس میں کوئی افسر بیٹھا ہو؛ اور جب کوئی طاقتور شخصیت بیٹھے تو وہی بگھی "پروٹوکول" بن جاتی ہے۔

11۔ بگھی سے سبق لیجیے:

اسلام آباد کی وہ بگھی چند لمحوں کے لیے ایک تقریب کا حصہ بنی تھی، مگر اس نے ہمیں ایک بہت بڑا آئینہ دکھا دیا۔ ایک طرف ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کی وہ عظیم روایت ہے جس میں اقتدار عاجزی پیدا کرتا تھا۔ دوسری طرف آج کا وہ سیاسی و انتظامی کلچر ہے جس میں بھی کبھی اقتدار کے ساتھ پروٹوکول، قافلہ، رکاوٹیں، فاصلے اور نمائش بھی آ جاتی ہے۔ اور اسی دوران ایک غیر ملکی وزیر خارجہ پاکستان آتا ہے، سادگی سے اترتا ہے، اپنا سامان خود اٹھاتا ہے، سرکاری مذاکرات کرتا ہے اور واپس چلا جاتا ہے۔ اس منظر نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ سادگی کے سبق کے لیے ہمیں ہمیشہ مغرب کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں؛ ہمارے پاس تو اس سے کہیں عظیم تر نمونہ چودہ سو سال پہلے سے موجود ہے۔ ہمیں صرف اسے دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سادگی، حضرت ابوبکر ؓ کی امانت، حضرت عمر ؓ کا احتساب، حضرت عثمان ؓ کی سخاوت، حضرت علی ؓ کا عدل، یہی اسلامی ریاست کے اصل زیورات ہیں۔ نہ بگھی، نہ لمبا قافلہ، نہ غیر ضروری پروٹوکول، نہ شاہانہ رہائش، نہ عوام سے فاصلہ۔ اسلامی حکمرانی کی اصل شان یہ ہے کہ حکمران تخت پر بیٹھ کر بھی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور عوام کا خادم سمجھے۔ لہٰذا اسلام آباد کی بگھی کے واقعے کو صرف دو افسران کے احتساب کا معاملہ نہ بنائیں۔ اسے ایک ملی عہد بنائیں:

ریاستی منصب امانت ہے نمائش نہیں۔

اقتدار خدمت ہے شاہی مراعات نہیں۔

پروٹوکول ضرورت تک، نمائش سے آگے نہیں۔

اور پاکستان صرف اسلامی جمہوریہ نام سے نہیں، بلکہ اپنے حکمرانوں، افسران اور شہریوں کے کردار سے بھی اسلامی نظر آنا چاہیے۔ اگر ہم واقعی پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں صرف قوانین نہیں بدلنے: اپنے طرزِ زندگی، اپنے سیاسی کلچر اور اپنے اجتماعی مزاج کو بدلنا ہوگا۔ اور شاید 14 اگست کی اس بگھی کا سب سے بڑا سبق یہی ہے: حکمران اگر عوام سے بلند ہو کر بیٹھے گا تو فاصلے بڑھیں گے؛ اور اگر عوام کے درمیان بیٹھے گا تو ریاست مضبوط ہوگی۔ پاکستان کو حکمران نہیں، خادم درکار ہیں۔ اور ہمیں ایک ایسی ریاست درکار ہے جہاں سب سے بڑا منصب بھی انسان کو سب سے بڑا نہیں، سب سے زیادہ جواب دہ بنائے۔

((اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ))

"اے اللہ! ہمیں حق کو حق ہی دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق دے اور باطل کو باطل ہی دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔" آمین یا رب العالمین! ❁❁❁

ضرورت ہے

دار الاسلام مرکز تنظیم اسلامی، نزد چونگی، لاہور کے شعبہ نظامت میں ایک کل وقتی سپروائیزر کی ضرورت ہے، جسے اردو و انگریزی خط و کتابت (ڈرافٹنگ)، کمپیوٹر سوفٹ ویئر (مائیکروسوفٹ آفس suite، یعنی ورڈ، ایکسل، پاور پوائنٹ و دیگر ایپلیکیشن) چلانے کا تجربہ ہو۔ تعلیمی قابلیت کم از کم گریجویٹ ہو۔ لاہور میں رہائش پذیر ہو۔ ملتزم رفیق کو ترجیح دی جائے گی۔ مطلوبہ معیار کے حامل رفقاء اپنے مکمل کوائف مندرجہ ذیل ای میل اڈریس پر جلد بھیجنے کا اہتمام فرمائیں:

markaz@tanzeem.org

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن عارف، ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی

WhatsApp:0321-9269265

CC: Nazim-e-ala@tanzeem.org

امام و تحریکی رفیق کی ضرورت ہے

مسجد جامع القرآن و قرآن اکیڈمی مروٹ میں ایک ایسے امام و تحریکی رفیق کی ضرورت ہے جو امامت کے ساتھ قرآن کریم کی تعلیم، دینی تربیت اور تنظیمی و دعوتی کام میں ہمارا ساتھ دے سکے۔ ایسا رفیق جو تنظیم اسلامی کے مزاج سے واقف اور تحریکی کام کا ذوق رکھنے والا ہو۔ اگر صاحبِ علم اور عالمِ دین بھی ہو تو مزید بہتر ہوگا۔

مقامی امیر: حاجی محمد ریاض

مسجد جامع القرآن و قرآن اکیڈمی، مروٹ، حلقہ بہاولنگر

برائے رابطہ: 0322-1020319

دجال کی عالمی حکومت اور نیو ورلڈ آرڈر کی حقیقت

قسط:10

رفیق چودھری

دجالی نظام کے قیام کی کوششوں کی جدید تاریخ

جن و انس کی آزمائش کے لیے معرکہ حق و باطل روزِ اول سے جاری و ساری ہے۔ ہر دور میں اللہ نے اپنے پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں تاکہ انسان ان کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ کے دین کو بطور نظام قائم کرسکیں مگر ہر دور میں شیطان نے بھی اپنے آلہ کاروں کے ذریعے کفر کا نظام قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس شیطانی دجل اور فریب کا شکار ہونے والی کئی قوموں پر اللہ نے عذاب بھیج کر دنیا میں بھی سخت سزائیں دیں تاکہ بعد والوں کے لیے عبرت ہو مگر شیطان کا فتنہ اس قدر شدید ہے کہ ہر دور میں قومیں اس کا شکار ہوئیں۔ یہاں تک کہ طوفانِ نوح جیسے عظیم اور عالمی عذاب سے بھی کوئی عبرت حاصل نہ کی گئی اور اس کے کچھ عرصہ بعد ہی نمرودی نظام کی شکل میں یہ فتنہ ازسر نو اُبھرا اور بعدازاں اسی فتنہ نے (ایک اور نمرود کے دور میں) اللہ کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہی آگ میں ڈال کر بلا شرکت غیرے اپنی بالادستی قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عزم و استقلال سے نہ صرف نمرود کا نظام باطل کا سرنگوں ہوا بلکہ ایک ایسی اُمت کی بھی بنیاد پڑی جس کے ذمے اللہ کے دین کو قائم کرنا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ادوار میں اللہ کا دین بطور نظام قائم ہوا بھی لیکن پھر وہ اُمت بھی قبالہ (شیطانی علم) کی وجہ سے فتنہ دجال کا شکار ہوگئی اور نمرودوں اور فرعونوں کے دین (دجالی مذہب) کے خلاف جہاد کرنے کی بجائے اللہ کے پیغمبروں کو ہی قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اللہ نے نئی اُمت کو اُٹھایا ہے اور حق کے نظام کو قائم کرنے کی ذمہ داری اس کو سونپی۔ ابھی جب مدینہ منورہ سے اللہ کے نظام کا قیام عمل میں آنے والا تھا تو اس سے پہلے ہی حزب الشیطان نے اپنا نظام قائم کرنے کی کوشش کی اور عبداللہ بن ابی کو بادشاہ بنانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

مشرکین ومنافقین اور قبالی یہودیوں میں اتحاد

عبداللہ بن ابی قبیلہ خزرج کا سردار تھا اور اس نے عرب اور یہودی قبائل کو متحد کر کے اپنی بادشاہت قائم کرنے کا خواب دیکھا تھا لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی آمد سے اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی تو اس کی کیفیت بھی شیطان جیسی ہوگئی۔ جس طرح شیطان نے کہا تھا میں آدم سے اعلیٰ ہوں لہٰذا زمین پر خلافت میری ہونی چاہیے تھی۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی کے من میں بھی ایک سوچ تھی جس نے اُسے منافق بنا دیا۔ اسی طرح یہودی قبائل بھی اسی لیے مدینہ میں آکر آباد ہوئے تھے کہ آخری رسول ﷺ کی آمد سے اُن کی عالمی بادشاہت کا آغاز ہوگا لیکن جب اللہ کے آخری رسول ﷺ بنی اسماعیل سے تشریف لائے تو بہت کم تعداد میں یہودی جو صحیح العقیدہ تھے، اسلام پر قائم ہوئے۔ باقی جتنے قبالی یہودی تھے وہ حسد، بغض اور تکبر کی وجہ سے شیطان کے ساتھی بن گئے۔ دراصل وہ پہلے سے ہی اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر قبالہ کے شیطانی راستے پر چل رہے تھے، اس لیے انہوں نے حقیقت کو اپنے سامنے پاتے ہوئے بھی اُسے چھپایا۔

درحقیقت آخری زمانے کے عالمی دجالی نظام کے قیام کی کوششوں کا آغاز اسی وقت سے ہوگیا تھا جب قبالی یہودیوں نے اللہ کے آخری رسول ﷺ اور آخری آسمانی کتاب سے پیٹھ پھیر کر مکمل طور پر قبالہ (شیطانی علم) پر انحصار کرلیا اور اس کے مطابق دجال کو اپنا نجات دہندہ مان لیا۔ چونکہ قبالہ اور بت پرستی ایک ہی اصل (بابلی اسرار) سے نکلے ہیں اس لیے قبالی یہودیوں کی زیادہ ہمدردیاں مشرکین کے ساتھ تھیں۔ جیسا کہ قرآن میں بھی ان کی اصلیت کا ذکر ہے:

> ''کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا' وہ ایمان لاتے ہیں بتوں پر اور شیطان پر اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا (یعنی مشرکین) کہ ان اہل ایمان سے زیادہ ہدایت پر تو یہ ہیں۔'' (النساء:51)

یہ سب لوگ اپنے تکبر، حسد اور بغض کی وجہ سے ابلیس کے ہمنوا اور اسلام کے دشمن بن گئے۔ ان کی مشترکہ کوشش رہی کہ اللہ کا نظام قائم نہ ہونے پائے تاکہ وہ خود اپنا نظام قائم کرسکیں۔ اللہ کے دین کے ساتھ اُن کا حسد، بغض اور تکبر اس وقت مزید کھل کر سامنے آگیا جب جنگ بدر میں حزب اللہ کو فتح نصیب ہوئی۔ جیسے ہی فتح کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو یہ قبالی یہودی غصے اور نفرت میں آگ بگولہ ہوگئے۔ کعب بن اشرف یہودی نے یہاں تک کہہ دیا:

> ''تف ہو تم پر۔ سرداران قریش تو عرب کے شرفاء اور عوام کے بادشاہ تھے۔ اگر محمد (ﷺ) نے انہیں ختم کر دیا ہے تو پھر زندگی سے موت بہتر ہے۔''
>
> (تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، صفحہ 79)

اس کے بعد وہ مکہ میں مشرکین کے پاس پہنچا (اس کی زوجیت میں ابی العیص بن امیہ کی پوتی تھی) اور اشعار پڑھ پڑھ کر مشرکین کو آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر اُبھارنے لگا۔ اس کے بعد وہ مدینے لوٹا اور مسلمان عورتوں کے متعلق اشعار کہنے لگا (ابن خلدون، جلد دوم صفحہ 80)۔ شاید اس کا مقصد مسلمانوں کو اشتعال دلا کر جنگ پر اُبھارنا تھا تاکہ میثاق مدینہ ختم ہوجائے اور سب کفار و مشرکین مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑسکیں۔ اسی دوران ایک واقعہ ہوا کہ ایک مسلم خاتون یہودی سنار کی دوکان میں خریداری کے لیے گئی، یہودیوں نے اس کا نقاب اُتارنا چاہا، انکار پر انہوں نے اُس خاتون کی چادر خفیہ طور پر کسی چیز سے باندھ دی، جب وہ اُٹھی تو اس کا نقاب اُتر گیا۔ مسلم خاتون کے شور مچانے پر ایک مسلمان نے آکر یہودی سنار کو قتل کر دیا۔ یہودی پہلے ہی مسلمانوں کی جنگ بدر میں فتح سے آگ بگولا تھے انہوں نے حملہ کر کے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ یوں یہودیوں نے خود میثاق مدینہ کو توڑ ڈالا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے جنگ بدر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ سے یہاں تک کہا: ''اس غرہ میں نہ رہنا، تمہارا مقابلہ ایسی قوم سے ہوا تھا جو لڑائی سے ناواقف تھی، واللہ اگر تم ہمیں آزماؤ گے تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ ہم لوگ مرد ہیں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو واپس کر دیا اور میثاق مدینہ سے منحرف ہوگئے۔ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

> ''اور اگر تمہیں کسی قوم سے دغابازی کا ڈر ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو، اس طرح کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ، بے شک اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الانفال:58)

اس کے بعد ان کے خلاف جہاد کا حکم نازل ہوا اور بنوقینقاع کا محاصرہ کرلیا گیا۔ 16 ویں دن بنوقینقاع نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جب ان کو قیدی بنا کر لایا گیا اور سزا کے نفاذ کا وقت آیا تو عبداللہ بن ابی اُن کے دفاع میں کھڑا

ہوگیا اور ان کو قتل کرنے کی شدید مخالفت کرتے ہوئے حضور ﷺ کا راستہ روک لیا، یہاں تک کہ اس نے نبی ﷺ کی زرہ بکتر کے پہلو کو پکڑ لیا اور کہا:

”نہیں! خدا کی قسم میں آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے حلیفوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کریں۔ چار سو بے زرہ اور تین سو زرہ پوش، جنہوں نے مجھے ہر سرخ و سیاہ (دشمن) سے بچایا، کیا آپ ایک ہی صبح ان سب کو کاٹ ڈالیں گے؟ خدا کی قسم، میں ایسا شخص ہوں جو وقت کے الٹ پھیر (حوادث) سے ڈرتا ہے۔“ (تاریخ الطبری، تاریخ الأمم والملوك - جلد 2)

معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی کا یہود سے کوئی عہد تھا اور وہ اس عہد کو اللہ کے دین (نظام) پر ترجیح دے رہا تھا اور ان سب کی کوشش تھی کہ اللہ کا دین قائم نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اسی وجہ سے عبداللہ بن ابی نے جنگ اُحد میں بھی سازش کی اور عین جنگ سے قبل اپنا لشکر لے کر واپس آ گیا، غزوۂ بنی مصطلق کے بعد انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک معمولی تنازعہ کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے عبداللہ بن ابی نے مہاجرین کے حوالے سے یہاں تک اعلان کیا کہ وہ واپس مدینہ پہنچ کر ان کو وہاں سے نکال دے گا۔ اس واقعے کے بعد ہی سورہ منافقین نازل ہوئی۔ اسی سفر میں واقعہ افک پیش آیا اور عبداللہ بن ابی نے حزب اللہ میں انتشار پھیلانے کے لیے اہل بیت کی کردار کشی کی۔ اللہ نے آیات تطہیر نازل فرما کر اس فتنہ کا رد کیا۔

630ء میں جب رومیوں کے خلاف جہاد کا اعلان ہوا تو منافقین نے ایک یہودی کے مکان میں بیٹھ کر سازش تیار کی کہ مسلمانوں کو غزوہ تبوک سے ہر ممکن روکا جائے۔ اس کوشش کا مقصد یہی تھا کہ اسلام عالمی نظام کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کے اس مکان کو جلانے کا حکم دیا۔ خیبر کے یہودیوں میں سے ابن ابی حقیق (ابو رافع) بھی مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اُبھارنے لگا اور وہ بھی کعب بن اشرف کی طرح قتل ہوا۔ اسی طرح بنو نضیر نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی، نتیجہ میں اس یہودی قبیلہ کے خلاف بھی جہاد کا اعلان ہوا تو عبداللہ بن ابی نے انہیں خفیہ طور پر مدد کی یقین دہانی کرائی اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اکسایا۔ لیکن جب بنو نضیر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے تو ان کا طرفدار بن کر عبداللہ بن ابی نے ان کی جان بخشی اور پرامن جلاوطنی کی سفارش کی۔ چنانچہ بنو قینقاع کی طرح بنو نظیر کو بھی عبداللہ بن ابی نے بچا لیا۔ ان میں سے کچھ خیبر کے یہودیوں کے پاس چلے گئے اور وہاں جا کر اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ حتیٰ کہ مشرکین مکہ اور بنو غطفان کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا جس کے نتیجہ میں غزوہ خندق پیش آیا۔

غزوہ خندق میں یہودیوں کے تیسرے قبیلے بنو قریظہ نے غداری کی تو انہیں بھی مدینہ سے نکلنا پڑا۔ اس کے بعد غزوہ خیبر میں اس فتنہ کی سرکوبی ہوئی۔ ان سب یہودی قبائل کے جو لوگ بچ گئے تھے وہ شام اور عراق کی طرف ہجرت کر گئے جہاں بعد ازاں انہوں نے عبداللہ بن سبا یہودی کے فتنہ کا ساتھ دے کر مسلمانوں کی یکجہتی اور اتحاد میں دراڑیں ڈالنے میں اپنا مذموم کردار ادا کیا۔ اندازہ کیجیے کہ یہ اللہ کے نظام کے خلاف کتنی بڑی سازش تھی جو شروع میں ہی یہود و مشرکین اور منافقین نے مل کر رچائی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام بطور عالمی نظام قائم نہ ہوتا کہ وہ اپنا (شیطانی) نظام دنیا پر مسلط کر سکیں لیکن جب اس کوشش میں ناکام ہوئے تو عبداللہ بن سبا کے ذریعے سبائی فتنہ کھڑا کیا گیا تاکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اسلامی نظام دنیا میں پھیلنے سے روکا جائے اور اسلام بطور نظام کمزور ہو جائے۔ (جاری ہے)

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(27 اگست تا 2 ستمبر 2026ء)

جمعرات 27 اگست: مرکزی اسرہ کے اجلاس کی آن لائن صدارت کی۔ بعد ازاں ”جناح سندھ میڈیکل یونیورسٹی“ میں سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے منعقدہ ایک پروگرام میں "Lessons from the Hudaibiyah Pact" کے عنوان پر طلبہ سے گفتگو کی۔ نماز ظہر کے بعد حلقہ کراچی جنوبی کی تنظیم لانڈھی کے امیر محترم ہاشم صاحب کے والد مرحوم کے جنازہ میں شرکت کی۔

جمعۃ المبارک 28 اگست: خطاب جمعہ مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، کراچی ڈیفنس میں ارشاد فرمایا۔ نماز جمعہ کے بعد مشیر مالیات و رابطہ محترم فیصل منصوری صاحب سے مختصر ملاقات کی۔ بعد ازاں ایک رفیق تنظیم سے ظہرانہ پر ملاقات رہی۔

ہفتہ 29 اگست: صبح حلقہ حیدر آباد کے تنظیمی و دعوتی دورہ کے لیے نائب ناظم اعلیٰ جنوبی زون 2 محترم عارف جمال فیاضی کے ساتھ روانگی ہوئی۔ دن میں جامعہ مظاہر العلوم، لطیف آباد (حیدر آباد) کے مہتمم اور اساتذہ کرام سے ملاقات رہی۔ بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ، تنظیمی سرگرمیوں، منتخب ترجمہ قرآن اور حالات حاضرہ کے حوالہ سے گفتگو ہوئی۔ بعد نماز عصر ایک بزرگ رفیق سے اُن کے گھر پر ملاقات ہوئی۔ بعد نماز مغرب مسجد جامع القرآن، گلشن سحر، حیدر آباد میں دو نئے مقامی امراء محترم عاکف اقبال اور محترم فہد غفاری صاحبان سے ملاقات ہوئی۔ بعد نماز عشاء ایمپائر بینکویٹ، لطیف آباد میں ”نبی کریم ﷺ کا مشن اور ہم“ کے عنوان پر خطاب کیا۔

اتوار 30 اگست: صبح 9:00 تا 10:30 بجے مسجد جامع القرآن، گلشن سحر، حیدر آباد میں حلقہ حیدر آباد کے ذمہ داران سے ملاقات رہی۔ تعارف اور سوال و جواب کی نشست کا اہتمام ہوا۔ بعد ازاں حلقہ کے کل رفقاء کے اجتماع میں حلقہ کے تعارف، رفقاء کے سوالات کے جوابات اور بیعت مسنونہ کا اہتمام ہوا۔ بعد نماز عصر ایک بزرگ رفیق سے اُن کے گھر پر ملاقات ہوئی (مقامی امیر احسن قائم خانی صاحب کے والد محترم بھی شریک تھے)۔ نماز مغرب کے بعد مرینا بینکویٹ، لطیف آباد میں "Youth Meet up" کے عنوان سے نوجوانوں کے ایک پروگرام میں تنظیمی فکر و منہج اور سرگرمیوں، دیگر مناہج، حالات حاضرہ اور نوجوانوں کے مسائل کے حوالہ سے سوال و جواب کی ایک نشست ہوئی۔

پیر 31 اگست: علی الصبح "Cadet College Sanghar" روانگی ہوئی جہاں ”عہد حاضر میں نوجوانوں کے لیے سیرت النبی ﷺ سے فکری و عملی تربیت کے لیے رہنمائی“ کے موضوع پر خطاب کیا اور طلبہ کے سوالات کے جوابات دیے۔ بعد ازاں براستہ حیدر آباد کراچی روانگی ہوئی۔

بدھ 02 ستمبر: رات کو لاہور آمد ہوئی۔

معمول کی مصروفیات: نائب امیر صاحب سے مستقل رابطہ رہا نیز تنظیمی امور انجام دیے۔ منتخب قرآنی نصاب کے حوالے سے مختلف ذمہ داریاں ادا کیں۔ معمول کی ریکارڈنگز کرائیں۔ رفقاء و احباب سے تعزیت و عیادت کے حوالے سے رابطہ بھی جاری رہا۔

کیا جمہوریت اور انتخابی عمل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں؟

ڈاکٹر فواد لوہانی

انتخابی عمل یا انتخابی طریقہ کار، انتظامی معاملات چلانے کے حوالے سے ریاستی سربراہ (یا کابینہ) چننے کا طریقہ بہت قدیم ہے۔ اس کی ابتدا یورپ سے نہیں ہوئی، بلکہ اس کی جڑیں ہر اس مقام اور معاشرے میں ہیں جہاں قبائلی نظام قائم تھا۔

ایک سردار کے مرنے پر اگلا سردار کون بنے گا؟ موروثیت کی روایت آنے سے پہلے اس چیز کا فیصلہ انتخابات سے ہوتا تھا۔

قدیم قبائلی سیاسی نظام کے علاوہ: ایک نظریاتی جماعت کے قائم کردہ نظام میں بھی، رہنما کے اس دنیا سے جانے کے بعد اس کی ٹیم کے کس رکن یا کا مرید کو سربراہ بنایا جائے گا؟ اس اہم معاملے کا فیصلہ، اس نئے قائم کردہ نظام کے سرکردہ افراد کے مابین انتخابی عمل سے کیا جاتا۔

بہت سے لوگ جمہوریت اور انتخابی عمل کو گڈمڈ کر دیتے ہیں: جمہوریت ایک سیاسی نظریہ ہے جو عوامی حاکمیت کی بات کرتا ہے: یعنی پالیسی سازی اور قانون سازی میں آخری و حتمی اختیار لوگوں کے پاس ہے۔ جمہوریت دراصل سرمایہ داری نظام (یعنی کیپٹلزم) کا ایک ستون ہے۔ اس میں فیصلے کرنے کی بنیاد کسی الہامی یا مذہبی کتاب وعقیدے کی بنیاد پر نہیں ہوتی بلکہ کثرت رائے سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر اکاون فیصد لوگ اس بات کے حق میں فیصلہ دے دیں کہ شراب جائز ہے تو اس ریاست میں شراب بنانا، بیچنا، خریدنا، پینا، پلانا قانونی حیثیت اختیار کر جائے گا۔ اسی طرح ہر مذہب میں زنا ممنوع اور حرام فعل مانا جاتا ہے، لیکن جمہوری ملکوں میں زنا کاری کے اڈوں (چکلے، بروتھلز) کو باقاعدہ سرکاری سرپرستی ملی ہوئی ہے۔ یعنی جمہوری معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہوتا ہے جہاں حلال وحرام اور جائز وناجائز قرار دینے کے فیصلے کا اختیار لوگوں کے پاس ہوتا ہے؛ اگر لوگ کثرت رائے سے شراب وزنا کو جائز وقانونی قرار دیں گے تو ایسے افعال اس ملک میں رائج ہو جائیں گے۔ جب کہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ جس چیز کو خالق نے حرام قرار دے دیا، اسے پوری مخلوق مل کر بھی حلال قرار نہیں دے سکتی۔ المیہ یہ ہے کہ انتخابی طریقہ کار کو ہی جمہوریت کہہ کر جمہوریت کے بارے میں رائے بنائی جاتی ہے۔

جس طرح ایک قبیلے میں ہونے والا انتخابی عمل، ایک نظریاتی جماعت کے انتخابی عمل سے طریقہ کار کی رو سے تو مماثلت رکھ سکتا ہے، لیکن بنیادی اصولوں میں فرق کی بنا پر ہم اسے ایک جیسا انتخابی عمل نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح ڈاکوؤں کے سردار کے مرنے پر دوسرا سردار کون بنے گا؟ اس کا فیصلہ بھی انتخابی عمل سے کیا جاتا ہے، لیکن اس انتخابی عمل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ڈاکوؤں کے ”مقاصد اور کام“ کو جواز مل چکا ہے۔

> **30 کروڑ آبادی کا ایک ملک جہاں ووٹ دینے کا حق صرف ایک لاکھ لوگوں کے پاس ہو تو کیا اُسے جمہوری ملک کہیں گے؟**

مختلف جمعیتوں اور گروہوں میں انتقال اقتدار واختیار کے لیے انتخابی عمل وقوع پزیر ہوتا ہے، لیکن ہر انتخابی عمل جمہوریت نہیں ہوتا۔ جمہوریت اس نظریے کا نام ہے جس میں ریاست کی بنیادی پالیسی بنانے کا اختیار خالق کی بجائے مخلوق کے ہاتھ میں سمجھا جائے۔

جن لوگوں کا تاریخ کا مطالعہ تین صدیوں سے پیچھے نہیں جاتا، وہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں ہونے والے فیصلے کو دیکھتا ہے تو اسے وہ طریقہ کار ”عین جمہوریت“ نظر آتا ہے۔

جس بچے نے بچپن سے ہی اپنے آس پاس ہر شخص کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہو، وہ اگر کسی نارمل آبادی میں آجائے تو ہر شربت، جوس حتیٰ کہ دودھ کو بھی شراب سمجھے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بچپن سے ہی اپنے ملک میں آمریت دیکھی، انہی آمریت عین اسلامی لگتی ہے۔ جن لوگوں نے لڑکپن سے ہی اشتراکی ادب کا مطالعہ کیا ہوتا ہے تو وہ اسلامی معاشرے میں اشتراکیت کے جراثیم پھیلانے کے لیے کہہ دیتا ہے کہ سوشلزم عین اسلام ہے؛ اور جن کی اٹھان جمہوری ادوار میں ہوئی، وہ جمہوریت کو عین اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ جمہوریت اس طرز حکومت کا نام ہے جس میں ریاست کی بنیادی پالیسی بنانے کا اختیار خالق کی بجائے مخلوق کے ہاتھ میں سمجھا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی اصطلاح کی اصل تعریف وتشریح وہی ہوتی ہے، جو تعریف وتشریح اس اصطلاح کے وضع کرنے والوں نے بیان کی ہو۔

جو لوگ ہر انتخابی عمل کو جمہوریت کہتے ہیں، یہ دو طرح کے لوگ ہیں (معذرت کے ساتھ) نمبر ایک وہ لوگ جن کا تاریخ کا مطالعہ تین صدیوں سے پیچھے نہیں جاتا، نمبر دو، جو جان بوجھ کر مغالطہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

آخر میں ایک سوال: ان لوگوں سے ایک سوال جو انتخابی عمل کو جمہوری سمجھتے اور کہتے ہیں: اگر کسی ملک کی آبادی تیس کروڑ ہو اور اس ملک میں ووٹ دینے اور انتخابات میں حصہ لینے کا قانونی حق صرف ایک لاکھ لوگوں کے پاس ہو تو کیا ایسے ملک کو جمہوری کہا جائے گا؟

ایک وضاحت:

لیسیز فیر (بے لگام معیشت)، سیکولرازم اور لبرل ازم: سرمایہ داری نظام کے تین ستون ہیں۔ یہ تینوں ستون اجتماعی زندگی کے ان تین سوالوں کے جواب دیتے ہیں جہاں کیپٹل ازم فیوڈل ازم کی نفی کرتا تھا۔ یہ تینوں ستون ایک دوسرے کو سپورٹ کرتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کو قائم کرتے اور قائم رکھتے ہیں۔ ان تینوں میں سے کسی ایک ستون کو کسی دوسرے نظام میں پیوند کرنے کا ایک ہی مطلب ہے کہ باقی دو ستونوں کا راستہ بھی بنایا جائے۔ اور جمہوریت اس نظام کا مخصوص طرز حکومت ہے۔ یہ اس نظام کا icon ہے۔ جس طرح درج بالا تین ستون کسی اور نظام میں پیوند و پیوست نہیں ہو سکتے، اسی طرح یہ icon (جمہوریت) بھی دوسرے نظام میں پیوند و پیوست نہیں ہو سکتا۔

❁❁❁

اخبارِ اسلام

غزہ: اصل صورت حال کیا ہے؟ (بشکریہ: فرینڈز آف فلسطین)

- مسجد اقصیٰ کو آگ لگائے جانے کے سانحے کو 57 برس مکمل ہو گئے۔ 21 اگست 1969ء کو قبلۂ اول میں لگنے والی آگ سے مسجد کے اہم حصے متاثر ہوئے تھے، جبکہ صلاح الدین ایوبی" کا تاریخی منبر بھی جل کر تباہ ہو گیا تھا۔ سانحے کے وقت فلسطینی عوام مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لیے پانی، مٹی اور دیگر دستیاب وسائل کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ 57 برس گزرنے کے باوجود یہ واقعہ فلسطینی عوام اور عالم اسلام کے لیے ایک زندہ تاریخی زخم کی حیثیت رکھتا ہے۔
- غزہ میں پانی اور نکاسی آب کے نگران اعلیٰ سعید العکلوک نے خبردار کیا ہے کہ اسرائیلی بمباری کے نتیجے میں غزہ کے 80 فیصد سے زائد پانی کی فراہمی اور نکاسی آب کے بنیادی ڈھانچے کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ پانی کی یومیہ پیداوار تین لاکھ مکعب میٹر سے کم ہو کر صرف ایک لاکھ 23 ہزار مکعب میٹر رہ گئی ہے۔
- حماس کے رہنما اسامہ حمدان نے قاہرہ میں جیرڈ کشنر اور ثالثوں کے ساتھ ہونے والی بات چیت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ فلسطینی مزاحمت کے ہتھیار مذاکرات کا انتہائی حساس معاملہ ہیں۔ مذاکرات میں جنگ بندی، غزہ کے مستقبل کے انتظام اور مزاحمت کے ہتھیاروں سے متعلق مختلف تجاویز اور فریقین کے موقف زیر بحث آئے۔ جبکہ اسرائیلی چیف ربی ڈیوڈ یوسف نے مغربی یروشلم میں تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فلسطینیوں کے قومی تشخص اور بطور قوم وجود کو مسترد کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ فلسطینی کبھی ایک قوم نہیں تھے۔ فلسطینی حلقوں نے ایسے بیانات کو عوام کے بنیادی وجود اور قومی حقوق سے انکار کے مترادف قرار دیا ہے۔
- جنگ بندی کے اعلانات کے باوجود غزہ کی پٹی میں اسرائیلی بمباری، فائرنگ اور توپ خانے سے گولہ باری جاری ہے۔ طبی ذرائع کے مطابق دیر البلح کے علاقے میں اسرائیلی فضائی حملے میں نوجوان حسام نصیر اور تین سالہ بچے تیم حمدان سمیت فلسطینی شہید ہوئے، جبکہ خان یونس میں 21 سالہ محمد شافعی ناصر الدین بھی بمباری کے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ فلسطینی مرکز اطلاعات "معطی" کے مطابق رواں سال کے آغاز سے اب تک مغربی کنارے میں اسرائیلی آبادکاروں کے 4560 حملے ریکارڈ کیے گئے ہیں۔ وزارت صحت کے مطابق جنگ بندی کے آغاز سے اب تک شہداء کی تعداد 1318 اور زخمیوں کی تعداد 4375 ہو گئی ہے، جبکہ 7 اکتوبر 2023ء سے جاری اسرائیلی جارحیت میں مجموعی طور پر 73454 فلسطینی شہید اور 174486 زخمی ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف اسرائیلی ویب سائٹ "واللا" نے دعویٰ کیا ہے کہ اسرائیلی فوج نے غزہ میں نئی زمینی کارروائی کا منصوبہ تیار کیا ہے، جس میں شہر غزہ پر قبضہ بھی شامل ہے۔ اسرائیلی فوج اور شاباک کے تخمینوں کے مطابق حماس اسرائیل کی شرائط پر ہتھیار ڈالنے پر رضامند نہیں ہوگی، جس کے باعث زمینی کارروائی دوبارہ شروع کرنے کو ممکنہ آپشن قرار دیا جا رہا ہے۔ اس کارروائی کے وقت کو اسرائیلی اور امریکی انتخابات سے بھی جوڑا جا رہا ہے۔ ادھر اقوام متحدہ نے خبردار کیا ہے کہ موسم سرما میں خیموں اور عارضی رہائش گاہوں میں مقیم لاکھوں بے گھر فلسطینیوں کی مشکلات مزید بڑھ سکتی ہیں، جبکہ گزشتہ موسم سرما کے خیموں کی بڑی تعداد بوسیدہ ہو چکی ہے اور انہیں مناسب طور پر تبدیل نہیں کیا گیا۔

مسلم دنیا سے متعلق دیگر ممالک کی اہم خبریں

- ترکیہ: مکہ دفاعی اتحاد کی ادارہ سازی، پاکستان کو پہلی سربراہی: پاکستان، ترکیہ اور سعودی عرب کے درمیان مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے کے تحت قائم اسٹریٹجک سیاسی و دفاعی کمیٹی کے پہلے اجلاس منعقدہ استنبول میں تینوں ممالک کے وزرائے خارجہ، وزرائے دفاع اور عسکری قیادت نے شرکت کی۔ اجلاس میں دفاعی صلاحیتوں، مسلح افواج کے باہمی تعاون، دفاعی صنعت میں مشترکہ پیداوار، ٹیکنالوجی، تحقیق و ترقی اور دہشت گردی کے خلاف مشترکہ کوششوں کو مضبوط بنانے پر اتفاق کیا گیا۔ معاہدے کے تحت سعودی دارالحکومت ریاض میں سیکرٹری جنرل کی سربراہی میں سیکرٹریٹ قائم ہوگا اور ابتدائی طور پر تین سال کے لیے اس کی سربراہی پاکستان سے تعلق رکھنے والے سیکرٹری جنرل کریں گے۔ ترک وزیر خارجہ حاقان فیدان نے کہا کہ اتحاد کسی مخصوص ملک کے خلاف نہیں بلکہ علاقائی امن و استحکام کے لیے ہے، جبکہ مزید ممالک کی شمولیت کے لیے روڈ میپ تیار کیا جا رہا ہے۔ تین ملکی معاہدے کو "مکہ دفاعی اتحاد" کہا جائے گا۔ بنگلہ دیشی وزیر خارجہ خلیل الرحمان نے کہا ہے کہ اگر مکہ دفاعی اتحاد میں شمولیت کی دعوت دی گئی تو ڈھاکہ اس پر مثبت انداز میں غور کرے گا۔
- ایران: امریکہ سے کشیدگی برقرار: ایران اور امریکہ کے درمیان کشیدگی میں مزید شدت آ گئی ہے۔ ایرانی پارلیمنٹ کی قومی سلامتی کمیٹی کے سربراہ ابراہیم عزیزی نے امریکی حملے کا "تباہ کن، تکلیف دہ اور سبق آموز" جواب دینے کا اعلان کیا، جبکہ ایرانی پاسداران انقلاب نے لارک جزیرے پر امریکی حملے کے بعد اردن میں امریکی فوجی اڈوں اور خلیج میں بحری جہازوں کو نشانہ بنانے کا دعویٰ کیا ہے؛ امریکہ نے بیشتر میزائل روکنے کا دعویٰ کیا، جبکہ متحدہ عرب امارات نے المنہاد ایئربیس پر حملے کی ایرانی خبر کی تردید کی۔ ایرانی میڈیا نے امریکی ڈرون مار گرانے کا بھی دعویٰ کیا۔ ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی نے امریکی پابندیوں کو "ریاستی اور معاشی دہشت گردی" قرار دے کر اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل سے یکطرفہ پابندیوں کی مذمت کا مطالبہ کیا۔ ایرانی سپریم لیڈر مجتبیٰ خامنہ ای نے مشرق وسطیٰ کے ممالک سے "حقیقی دشمن" کو پہچاننے اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے متحد ہونے کی اپیل کی۔ ایران میں 15 سے 21 اگست کے دوران 59 زلزلے ریکارڈ کیے گئے، جن میں بیشتر کی شدت 3 سے کم تھی، جبکہ دو زلزلوں کی شدت 4 سے 5 کے درمیان رہی۔
- سعودی عرب: 18 لاکھ برس قدیم انسانی آبادی کے آثار دریافت: صوبہ نجران کے علاقے شعب دحضہ میں 12 سے 18 لاکھ سال قدیم پتھر کے اوزار دریافت ہوئے ہیں۔ سعودی ہیریٹیج کمیشن کے مطابق یہ دریافت جنوبی عرب میں انسانی آبادی اور قدیم ہجرت کے ابتدائی دور کا اہم ثبوت ہے۔
- بوسنیا: "بوسنیا کا قصاب" راتکو ملازوچ حراستی مرکز میں ہلاک: بوسنیا کی جنگ میں مسلمانوں کے قتل عام اور نسل کشی کے جرم میں عمر قید کی سزا پانے والا سابق بوسنیائی سرب جنرل راتکو ملازوچ اقوام متحدہ کے حراستی مرکز کے ہسپتال میں ہلاک ہو گیا۔
- صومالیہ: ترک بحریہ کا قزاقوں کے خلاف آپریشن، مغوی جہاز بازیاب: ترک بحریہ نے صومالی افواج کے تعاون سے صومالی پانیوں میں قزاقوں کے قبضے سے ایک بحری جہاز بازیاب کرا لیا۔ دس روزہ آپریشن میں قزاقوں کے زیر استعمال چار کشتیاں تباہ اور 14 قزاق ہلاک کیے گئے جس کے بعد باقی قزاق جہاز چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

تحقیق: خالد نجیب خان (معاون مرکزی شعبہ نشر و اشاعت)

انوار رضا سہ ماہی (عظیم الشان سیرت رسول ﷺ نمبر)

چیف ایڈیٹر: ملک محبوب الرسول قادری

مبصر: خالد نجیب خان

سہ ماہی انوار رضا کو شائع ہوتے ہوئے کم و بیش 21 سال تو ہو گئے ہیں۔ اوائل دنوں میں یہ جریدہ خال خال ہی نظر آتا تھا مگر اب صورت حال یہ ہے کہ اخبارات و جرائد کی سرکولیشن کم ہونے کے باوجود اکثر پڑھے لکھے لوگوں کی مطالعہ کی میز پر نظر آتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ چیف ایڈیٹر صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انوار رضا کا ہر شمارہ ایک خاص شمارہ ہوگا۔ گویا انہوں نے جریدے کو کتاب کی صورت دے کر اس کی شیلف لائف کو دوام بخش دیا ہے۔ زیر نظر جریدہ بھی رسول اللہ ﷺ کے 1500 سال ولادت باسعادت کی مناسبت سے شائع کیا گیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: "اے رسول ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" سورۃ الانبیاء کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں پر ایک خصوصی مہربانی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ بے شک رسول اکرم ﷺ تمام مخلوقات کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ دنیا میں قیامت تک اللہ تعالیٰ کا ذکر تسبیح اور اس کی عبادت و بندگی آپ ﷺ پر وحی کیے گئے قرآن و حدیث اور سنت و اسوہ رسول ﷺ کے دم سے جاری و ساری رہے گی۔

اس میں شک نہیں کہ سیرت نگاری کے کسی بھی مصنف کا مطالعہ بہت وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی زندگی، اخلاق و عادات، تعلیمات و ارشادات، عبادات و معاملات وغیرہ پر پوری نظر ہونا ناگزیر ہے۔ چیف ایڈیٹر نے دوران تدوین اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ کسی کم مطالعہ کے حامل مصنف کی تحریر شامل نہ کی جائے۔ 14 ابواب پر مشتمل زیر نظر جریدہ میں مولانا کوثر نیازیؒ، حکیم محمد سعیدؒ، مولانا محمد عبدالستار خان نیازیؒ، اصغر حسین خان نظیر لدھیانویؒ، حضرت سید نثار کتب رضی شیرازیؒ، صاحبزادہ خورشید احمد گیلانیؒ، پروفیسر آفتاب احمد نقویؒ، ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، مولانا غلام سرور، پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی، محمد ظفر الدین برکاتی، مولانا محمد ظفر اللہ جیسی بڑی اور نامور شخصیات کے لکھے ہوئے سیرت پر مبنی مضامین شامل کیے گئے ہیں جس سے آپ ﷺ کی زندگی کی پوری جھلک تو بے شک سامنے نہیں آئی مگر اس کو اس حوالے سے ایک اہم کوشش ضرور قرار دیا جا سکتا ہے۔

جریدہ زیر نظر میں سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے چیف ایڈیٹر ملک محبوب الرسول قادری کے خصوصی انٹرویوز بھی قابل ذکر ہیں جو انہوں نے سیرت رسول ﷺ پر کام کرنے والی مختلف علمی اور مذہبی شخصیات سے کیے ہیں۔ 1040 صفحات پر مشتمل یہ ضخیم جریدہ ہارڈ کور کے ساتھ سفید آفسٹ کاغذ پر شائع کیا گیا ہے۔ سرورق دیدہ زیب ہے اور مبلغ 3 ہزار روپے کے عوض انٹرنیشنل غوثیہ فورم زاویہ قادریہ، راجا ٹاؤن، جوہر آباد سے حاصل جا سکتا ہے۔

سہ ماہی انوار رضا مولانا شاہ احمد نورانی اور رفقائے نورانیؒ

(تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے تناظر میں)

چیف ایڈیٹر ملک محمد محبوب الرسول قادری

مبصر: خالد نجیب خان

پاکستان میں تحریک ختم نبوت مولانا شاہ احمد نورانیؒ کے ذکر کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتی۔ 70ء کی دہائی میں اُن کی پہچان ایک مذہبی سیاستدان کی تھی جبکہ وہ ایک جید عالم دین تھے اور پاکستان میں ختم نبوت کے حوالے سے ہونے والی قانون سازی میں اُن سے اللہ تعالیٰ نے خاص کام لیا ہے۔ 1974ء میں جب شاہ احمد نورانیؒ نے قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف قرارداد پیش کی تو پاکستان ہی نہیں دنیا بھر میں قادیانیوں میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ 8 اگست 1974ء کو جب مرزا ناصر غیر ذمہ دارانہ معمولی تحریروں کے حوالے دے کر کمیٹی کے اراکین کو اُلجھا کر وقت ٹالنے کی کوششوں میں مصروف تھا تو انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ مرزا ناصر جان بوجھ کر غیر متعلق باتوں اور کشف کے واقعات پیش کر کے وقت ضائع کر رہا ہے، ہمارے نزدیک قرآن و حدیث کسوٹی ہے، مرزا کے اقوال و تحریریں تذکرہ اولیاء، جواہر فوائد جیسی کتابیں اتھارٹی نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹارنی جنرل نے یہ مقدمہ مولانا شاہ احمد نورانی اور اُن کے دیگر ساتھیوں کی معاونت سے ہی جیتا۔

سہ ماہی انوار رضا کی جلد 21 کا شمارہ نمبر ایک مولانا نورانی اور رفقائے نورانی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت عوام کے سامنے آسان طریقے سے پیش کر کے اُن کے دل و دماغ میں بٹھایا جائے اور اس کی ضرورت و اہمیت اجاگر کی جائے۔

زیر نظر جریدہ میں چیف ایڈیٹر ملک محبوب الرسول قادری کا کہنا ہے کہ اس خصوصی اشاعت میں 200 سے زائد منتخب خوش بختوں کا تفصیلی اجمالی اور ضمنی تذکرہ موجود ہے۔ یہ باضابطہ تصنیفی یا تالیفی کاوش نہیں بلکہ منتشر معلومات کا ایک انتخاب ہے، جسے مختلف ادوار میں ارباب بصیرت و بصارت و معاشرے کے دیدہ و بینا رجال کار نے کسی بھی انداز میں محفوظ کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ہر طرح کے نظم قیود سے آزاد معلوماتی ذخیرہ ہے جس میں کوشش کی گئی ہے کہ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار خان نیازی، کاروان تحفظ ختم نبوت، قافلہ تحریک نظام مصطفیٰ کے قائدین و کارکنان کو کسی نہ کسی درجے میں محفوظ کر دیا جائے۔ مولانا شاہ احمد نورانیؒ کے صاحبزادے شاہ محمد انس نورانی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کتاب محض ایک شخصیت کی سوانح نہیں بلکہ ایک فکر ایک تحریک اور ایک ہمہ جہت مشن کی آئینہ دار ہے۔ اس مولانا نورانیؒ کی دینی سیاسی اور ملی خدمات کے دوران اُن کے ساتھ رہنے والی منتخب اور ممتاز شخصیات کو نہایت خوبصورتی سلیقے اور تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

525 سے بھی زیادہ صفحات پر مشتمل یہ جریدہ 11 ابواب پر مشتمل ہے۔ عقیدہ ختم نبوت قرآن و سنت اور اجماع اُمت کی روشنی میں سے لے کر قادیانیت کے خلاف ٹھوس اقدامات سے ہوتے ہوئے مولانا نورانیؒ کی قرارداد پر فیصلہ اور وزیر اعظم کے تاریخی اعلان تک بیسیوں موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ رنگین تصاویر اور اشتہارات کے علاوہ بیسیوں بلیک اینڈ وائٹ تصاویر سفید آرٹ پیپر پر شائع کیا گیا ہے۔ مضبوط ہارڈ کور کے ساتھ یہ جریدہ 1250 روپے کے عوض انٹرنیشنل غوثیہ فارم زاویہ قادریہ راجا ٹاؤن، جوہر آباد سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

pilgrims to reflect on their sins and past mistakes. These reflections transform your perspective on life and give your spiritual renewal a more meaningful point. This is the perfect way to sincerely repent and start your life anew with a clean slate.

- **Developing Patience and Self-Control**

Umrah gives many important moral lessons. These include patience and self-control. This pilgrimage is all about submitting yourself completely to Allah Almighty. Pilgrims may experience crowds, long walks, waiting, tiredness and unfamiliar surroundings.

Instead of responding with frustration, Umrah encourages Muslims to practice patience and good manners. Controlling anger and avoiding arguments are particularly important because the purpose of the journey is worship. These are some of the lessons pilgrims carry into their everyday lives after returning from their spiritual retreat.

- **Deepening Gratitude and Muslim Brotherhood**

The gratitude that you feel as soon as you know that you will be going for an Umrah is truly unmatched. Knowing that Allah Almighty Himself has invited you for this spiritual retreat will make you feel so fortunate. Health, family, faith, financial ability and the opportunity to visit the sacred places can all become reasons for gratitude. You will also become much more conscious of Allah Almighty's blessings.

Hajj and Umrah crowds are some of the biggest representations and reminders of Muslim brotherhood. Millions of believers from all parts of the world unite in worship at the pilgrimage sites with the same purpose. It can also teach pilgrims to treat others with kindness and respect.

Final Words

Umrah is a beautiful journey of spiritual transformation and reflection. It allows Muslims to leave worldly distractions for a while and focus on strengthening their relationship with Allah Almighty. Its rituals teach powerful lessons about Tawheed, humility, patience, sacrifice, gratitude and brotherhood. The true spiritual impact is evident in the pilgrim who returns from the pilgrimage sites. If the journey inspires greater devotion, better character, stronger relationships and a more conscious relationship with Allah, its influence continues far beyond Makkah.

ضرورت رشتہ

☆ ساہیوال میں رہائش پذیر آرائیں فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 33 سال، تعلیم ایم بی بی ایس، ایم سی پی ایس، ذاتی ہسپتال، قد "1 '6، کے لیے تنظیمی گھرانے سے ڈاکٹر لڑکی (عمر 25 تا 31 سال) کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0300-0971784

اشتہار دینے والے حضرات نوٹ کر لیں کہ ادارہ ہذا صرف اطلاعاتی رول ادا کرے گا اور رشتہ کے حوالے سے کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا۔

دعائے صحت کی اپیل

☆ حلقہ پنجاب جنوبی، ملتان غربی کے رفیق محترم محمد عرفان خان کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ٹانگ کا فریکچر ہو گیا ہے۔ برائے بیمار پرسی: 0309-9228344

اللہ تعالیٰ تمام بیماروں کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء و احباب سے بھی بیماروں کے لیے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ
الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

دعائے مغفرت

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

☆ حلقہ پنجاب شمالی کے ملتزم رفیق محترم ریاض الدین کی والدہ وفات پا گئیں۔
برائے تعزیت: 0343-5577521

☆ حلقہ پنجاب شمالی، راولپنڈی کینٹ کے رفیق محترم محمد فاروق کے والد وفات پا گئے۔
برائے تعزیت: 0340-5033373

☆ حلقہ کراچی جنوبی، لانڈھی تنظیم کے مقامی امیر و مدیر قرآن اکیڈمی کورنگی محترم محمد ہاشم کے والد وفات پا گئے۔ برائے تعزیت: 0333-2815528

☆ حلقہ کراچی، وسطی راشد منہاس جوہر 1 کے ملتزم رفیق محترم عبداللہ نظیر کے والد وفات پا گئے۔ برائے تعزیت: 0312-2013517

☆ حلقہ کراچی وسطی، شاہ فیصل کے مبتدی رفیق محترم مسعود عثمانی کے تایا جان وفات پا گئے۔
برائے تعزیت: 0330-2357467

☆ حلقہ پنجاب جنوبی، منفرد اسرہ غازی پور کے نقیب محترم غلام اصغر گھلو کی ساس وفات پا گئیں۔ برائے تعزیت: 0300-9479603

☆ حلقہ پنجاب جنوبی، نیو ملتان تنظیم کے رفیق محترم میران عباس کی ہمشیرہ وفات پا گئیں۔
برائے تعزیت: 0309-0110500

☆ حلقہ پنجاب جنوبی، ممتاز آباد کے رفیق محترم اعجاز احمد کے بھائی وفات پا گئے۔
برائے تعزیت: 0300-7330092

☆ حلقہ پنجاب جنوبی، ممتاز آباد کے نقیب محترم عامر نوید قریشی کے برادر نسبتی وفات پا گئے۔
برائے تعزیت: 0332-6043007

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

The Spiritual Significance of Umrah and Its Impact on a Muslim's Life

Binte Fatima

Umrah is not just a physical journey to the sacred city of Makkah. This journey alone has immense spiritual rewards, but the spiritual significance of Umrah and its impact on a Muslim's life go beyond that. This pilgrimage is a journey of spirituality and faith. It takes you away from the distractions of everyday life and gives you the perfect chance to focus on your relationship with Allah Almighty. As you enter the sacred city of Makkah, your heart will turn toward Allah Almighty as you immerse yourself in pilgrimage rituals and acts of worship.

Umrah may be a voluntary or minor pilgrimage, but believers know it as a journey of transformation. The spiritual and moral things that this pilgrimage teaches Muslims are unparalleled. Umrah journey is all about strengthening your relationship with the Almighty and asking for His forgiveness and blessings. If you are planning an Umrah soon, you may want to understand the spiritual significance of this incredible journey and how it can impact your life. Keep reading this blog for insight into it.

<u>About the Spiritual Significance of Umrah</u>

Umrah is one of the most spiritually uplifting acts of worship. It is not just a physical journey but a journey of faith. Although Umrah is not one of the five pillars of Islam, it is a highly virtuous act of worship. During this pilgrimage, pilgrims can escape the chaos of the world and their daily lives for a while. It is an opportunity to dedicate time exclusively to worship, reflection and remembrance of Allah.

Umrah also reminds Muslims that true success is not measured by wealth, status or worldly possessions. Standing among millions of believers, dressed simply in Ihram, reinforces the importance of humility and equality before Allah.

<u>Spiritual Benefits of Umrah</u>

Here are some of the top spiritual benefits of Umrah that you must know about before you embark on the spiritual retreat.

- **Strengthening the Relationship With Allah Almighty**

Umrah gives you the perfect opportunity to strengthen your relationship with Allah Almighty. The journey encourages frequent Salah, Dhikr, Dua, Quran recitation and sincere repentance. Everyday responsibilities can distract you from your real purpose: to worship and please the Almighty. This pilgrimage gives you the perfect environment to set aside worldly worries for a while and focus your heart on worship.

Every stage of the pilgrimage provides an opportunity to remember Him. Whether a pilgrim is performing Tawaf, walking between Safa and Marwah, sitting in the Haram or making Dua, the experience encourages a deeper awareness of Allah. This gives you the spiritual strength you take back home.

- **A Reminder of Tawheed**

Every ritual of Umrah is a reminder of Tawheed. Kaaba is the center of worship of the believers, and it is the perfect reminder of the monotheism of Islam. Performing Tawaf around the Kaaba reminds pilgrims of the centrality of Tawheed, the belief in the oneness of Allah. Muslims from different countries, cultures, and backgrounds gather to worship the same Creator.

As you experience this during pilgrimage, you will also realize that Islam transcends nationality, language, ethnicity and social status. And Islam is completely based on Tawheed. Someone who doesn't declare and understand Tawheed can never be a believer.

- **Learning Humility Through Ihram**

No symbol of humility is more powerful for Muslims than the state of Ihram. This is a state of purity and humility. Through Ihram, you learn the lesson that there is no distinction among the believers when they enter the state of worship.

The simplicity of Ihram reminds Muslims that wealth and social position do not determine their worth before Allah. Everyone stands as a servant of Allah. This leaves a lasting impact on the believer. You will feel a stronger desire to avoid arrogance and unnecessary attachment to worldly status.

- **Seeking Forgiveness**

As you wait for an Umrah visa, understand that this is a golden opportunity to seek the forgiveness of Allah Almighty. Umrah is all about making sincere repentance. A pilgrim may reflect on past mistakes, seek Allah's forgiveness and make a genuine commitment to improve.

The spiritual atmosphere of Makkah and Madinah, and the distance from worldly distractions, enable

چمکدار صفائی
گہرائی تک اثر
شاندار صفائی، اُجلی دھلائی
کم مقدار، زیادہ صفائی
منفرد اور دیرپا خوشبو
رنگوں کی حفاظت
کپڑوں کی حفاظت
جلد کی حفاظت
1kg
KLINIT
Multi Action Power Magic
Detergent Powder
Colour Guard
DELIVERY ALL OVER PAKISTAN
میرا با اعتماد انتخاب
شاندار صفائی
کم پیسے، زیادہ دھلائی
بھرپور جھاگ، داغوں کا صفایا
مہکتی خوشبو
1kg
TWO in ONE ACTION
Whiff
Detergent Powder
Cleans + Disinfects
LONG BAR
Let your Clothes Smile!
JR Industries:
Sluh House, Plot # A89-91, Dhani Bux,
Sector 51-A, Scheme 33, Karachi Pakistan
For Online Order
0304 706 1265
jri.com.pk

Vol: 35 | Regd. No. C.P.L NO.114 | No.34

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore